"رانیہ..... آپ رانیہ کی بات کر رہی ہیں امی؟" اس کی ناگواری پر بے یقینی اس قدر غالب تھی کہ وہ اپنی آواز کو نیچا نہیں رکھ پایا تھا۔ جواباً وہ بہت اطمینان سے گویا ہوئیں۔

"میں نے تو ہمیشہ ہی سے تمہارے لیے رانیہ کو ساتھ لے آئی تھیں۔ خالو جان کی وفات کے سال بھر بعد ہی خالہ بھی رخصت ہوئیں تو رانیہ سکندر خدا کے بعد اب امی کے ہی سہارے تھی۔ مگر ان کی اس خواہش نے تو عیسیٰ رضا کو سر سے پاؤں تک جھنجھنا دیا تھا۔

"میرے خیال میں آپ مذاق کر رہی ہیں۔" وہ

تیرے ہمراہ چلنا ہے

عفت سحر طاہر

تم سے طلب صلہ کیا' تم سے کوئی گلہ کیا
دیدۂ تر کا ذکر کیا' یونہی چھلک گیا کہیں
وہ جو سبک خرام تھے منزل عشق پا گئے
راہِ وفا کے بیچوں بیچ کوئی اٹک گیا کہیں

سوچا ہے اب تو اللہ کے فضل سے تمہیں اتنی اچھی نوکری مل گئی ہے۔ گاڑی بھی لے چکے ہو میں تو بس اسی لیے چپ تھی کہ پہلے تم اس قابل ہو جاؤ تو میں رانیہ کے لیے ہامی بھروں۔" ان کی بات سن کر وہ ایک بار پھر تلملا اٹھا تھا۔

"بہت خوب ایکچولی میں اس کے قابل نہیں تھا؟" یہ تلملاہٹ یونہی نہیں تھی۔ اسے حقیقتاً امی کی بات بہت بری لگی تھی۔ کیا تھی وہ رانیہ سکندر..... اس کی غریب سی خالہ زاد اتنی عام سی لڑکی کہ عیسیٰ رضا نے کبھی اس کے ہونے پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ پہلے مشکل پڑھائی اور اس کے بعد کے پانچ سال خود کو اسٹیبلش کرنے کی تگ و دو کے دوران اسے کبھی کبھی خالہ کا احوال معلوم کرنے کی بھی فرصت نہیں ملی تھی۔ چہ جائیکہ رانیہ سکندر! تنگ گلیوں اور تنگ مکان میں پل کر بڑھنے والی لڑکی جسے آج سے چار ماہ پہلے امی اپنے

اپنے بارے میں بے حد اعتماد تھا۔ خوش شکل اور خوش لباس تو وہ ہمیشہ ہی سے تھا مگر گزشتہ دو سالوں میں بہترین نوکری اور مراعات نے اس کی وجاہت اور شخصیت کو مزید دوام بخشا تھا۔ دولت کی فراوانی تو اچھے اچھوں کو مسائل سے بے فکر کر دیا کرتی ہے سو اس بے فکرے پن نے عیسیٰ رضا کی شخصیت میں ایک متاثر کن سی دلکشی پیدا کر دی تھی۔

"کیا رانیہ سکندر اس قابل ہے کہ مجھ جیسے بندے پر حکمرانی کر سکے.....؟" وہ بے حد تنفر سے سوچ رہا تھا۔

"اس کی ماں ہوتی تو وہ بھی یہی دیکھتی کہ لڑکا رانیہ کے قابل ہے یا نہیں اب تو تم بھی سیٹ ہو چکے ہو۔ کم از کم میں اپنی طرف سے تو کوئی کمی نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ اب دیکھنا میری مرحومہ بہن کی روح کتنی خوش ہوگی۔" امی کی ساری قابل دید تھی اور اگر وہ عیسیٰ رضا

کے خیالات سے آگاہ ہو جاتیں تو......!

"بہت خوب!" اس نے بمشکل خود کو صدمے کی گرفت سے نکالا تھا۔

"یعنی کہ وہ لڑکی ہر دور میں مجھ جیسے لڑکے کے قابل تھی۔ بس مجھے ہی اس کے قابل بننے کی ضرورت تھی؟" اس کے لب و لہجے کی تپش بھانپے بغیر وہ مسکرا کر بولیں۔

"کس بات کی کمی ہے میری رانیہ میں وہ تو شروع ہی سے میری من پسند رہی ہے۔"

"معاف کیجیے گا والدہ صاحبہ! میرے خیالات آپ سے قطعی مختلف ہیں۔" وہ ان کی بات کاٹ کر بے حد رکھائی سے بولا تو وہ نا سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگیں۔ قدرے توقف کے بعد وہ آرام سے بولا۔

"آپ کے اس فیصلے سے شاید آپ کی مرحومہ بہن کی روح تو خوش ہو جائے مگر مجھے قطعی کوئی خوشی نہیں ہوگی۔ میرے خواب و خیال میں بھی رانیہ سکندر جیسی لڑکی کا گزر نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ وہ میرے ٹائپ کی لڑکی نہیں ہے۔ میں جس حلقے میں اٹھتا بیٹھتا ہوں اتنی دبی دبائی سی لڑکی وہاں میرے ساتھ چل ہی نہیں سکتی۔ آئی ایم سوری!" امی کے چہرے پر تکلیف کے آثار نمایاں تھے۔ مگر وہ اپنی زندگی کو کسی طور ان کی جذباتیت کی بھینٹ نہیں چڑھا سکتا تھا۔ سو ہر مسئلے ہر فیصلے میں انہیں اولیت دینے والا اپنی زندگی کے اس اہم ترین فیصلے کے وقت پہلو تہی کر گیا بہت ہی خود غرضی کے ساتھ۔ وہ شدید صدمے کا شکار ہو گئیں۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو عیسٰی......!"

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں امی! اور سنجیدہ بھی ہوں وہ جس ماحول کی پروردہ ہے اس کے پیش نظر تو......!"

اس نے بڑی ہمدردی سے مشورہ دینے کی کوشش کی تو وہ چلبلا کر اس کی بات کاٹ گئیں۔

"ماحول! ماحول فقط دو برس ہوئے ہیں ہمیں چار کمروں کے مکان سے اٹھ کر اس شاندار گھر میں آئے اور تمہیں ہر بات میں ہر قدم پر اس کا ماحول دکھائی دینے لگا ہے؟ مت بھولو کہ تم نے بھی اسی ماحول میں انہیں مسائل کے درمیان پرورش پائی ہے۔ جن میں کہ رانیہ نے......!" ان کے غصے میں آجانے پر وہ جز بز سا ہو گیا۔ مگر ہار نہیں مانی تھی۔

"وہ گزرے کل کی بات تھی۔ ترقی کرنے والوں اور آگے بڑھنے والوں کے لیے ان کا آج اہمیت کا حامل ہوا کرتا تھا۔" "اور معاف کیجیے گا امی جان! وہ کل کے دور کی لڑکی ہے۔ گزرے ہوئے کل کی۔"

"شاباش ہے تم پر عیسٰی......!" امی تڑپ اٹھی تھیں۔ "تو بیٹا پھر ڈال دو اس کے ساتھ ساتھ ماں کو بھی پچھلے کے ڈبے میں یہ بھی گزرے ہوئے کل کی بڑھیا ہے۔ اسے بھی اپنے پرانے رشتے عزیز ہیں۔"

"امی پلیز!" وہ زچ ہو گیا تھا۔

"دنیا میں رانیہ سکندر کے لیے رشتے ختم تو نہیں ہو گئے ہیں۔ میں خود اس کے لیے بہترین......!" اس نے کہنا چاہا مگر وہ غصے سے اس کی بات کاٹ گئیں۔

"بس......بس کرو عیسٰی!" وہ چپ سا ہو کر انہیں دیکھنے لگا ان کی آواز کافی اونچی تھی۔

"وہ تمہاری ذمہ داری نہیں ہے اس کا بھلا برا سوچنے کو میں موجود ہوں۔ اس کے لیے کیا بہتر ہے اور کیا بہتر نہیں یہ میں تم سے اچھی طرح جانتی ہوں۔" ان کی خفگی ان کی ناراضگی عیسٰی کے لیے بھی تکلیف دہ تھی مگر دوسری صورت میں رانیہ سکندر کو تا عمر ان چاہی حیثیت میں خود سے منسلک پانا بھی تو ناممکن امر تھا۔ پھر بھی اس نے ان کی ناراضگی دور کرنے کی مقدور بھر کوشش کی تھی۔

"بات کو سمجھنے کی کوشش کریں امی! جب دلی رضا مندی ہی شامل نہ ہو تو پھر ایسے رشتوں کو خوامخواہ

جوڑنے سے کیا حاصل؟"

"صحیح کہہ رہے ہو میرے بچے! اب وہ وقت آ گیا ہے کہ اولاد ماں باپ کو سمجھانے لگی ہے۔" وہ آبدیدہ ہونے لگیں۔ تو وہ بھی بے چین ہوا تھا۔ ابو کی وفات کے بعد شعوری اور لاشعوری طور پر وہ انہیں ہمہ وقت خوش اور ٹینشن فری رکھنے کی کوشش کرتا آیا تھا۔ مگر یہ کیسی فیصلہ کن گھڑی تھی کہ فقط ایک دل کا سکون ممکن تھا۔

"آپ خوامخواہ جذباتی ہو رہی ہیں امی!"

"جذباتی تو تم ہو رہے ہو عیسٰی! دو منٹ بھی نہیں سوچا تم نے ذرا تسلی سے غور تو کرتے اس مسئلے پر اس بچی کی اتنی بھی اہمیت نہیں ہے تمہاری نظروں میں کہ تم کچھ دیر کو اس بات پر سوچنے کی مہلت ہی مانگ لیتے؟" وہ بہت دکھی لہجے میں بولیں تو وہ جھنجلا سا گیا مگر بظاہر بہت لجاجت سے بولا۔

"میں کیا کروں امی! دوغلا پن مجھ سے نہیں ہوتا۔ جو دل میں تھا آپ سے صاف کہہ دیا۔ اب کیا اس کی سزا دیں گی مجھے؟ میں نے بھی رانیہ کو اس لحاظ سے سوچا ہی نہیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟"

"تو اب سوچ لو میں کون سا ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی سوچ رہی ہوں۔ آرام سے خوب غور کر کے جواب دینا۔" اس کے نرم لہجے سے ڈھیل پا کر وہ پھر سے کھل اٹھی تھیں۔ وہ اندر ہی اندر کراہ کر رہ گیا۔ یہ محبتیں بسا اوقات کتنی مشکل میں ڈال دیتی ہیں۔

اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اب وہ امی کے دوبارہ جواب پوچھنے تک اس بارے میں کوئی بات نہیں کرے گا اور انہوں نے جب بھی اس کا جواب پوچھا وہ "نا" ہی ہوگا۔ اس ارادے نے اس کے دل کو خاصی تقویت دی تھی۔

"اور پھر موسیٰ...... موسیٰ بھی تو ہے۔" اس کے ذہن میں یکلخت ہی جھماکا سا ہوا تھا۔ خود سے دو سال چھوٹے بھائی کا خیال تو اسے اب تک آیا ہی نہیں تھا۔

"بہت خوب......! اب اگلی بار میں امی کے سامنے موسیٰ کا نام رکھوں گا اگر رانیہ سکندر کا اس گھر کی بہو بننا اتنا ہی ضروری ہے تو عیسٰی ہو یا موسیٰ کیا فرق پڑتا ہے؟" اس کی تنی ہوئی دماغی نسیں ڈھیلی پڑ گئی تھیں۔ درحقیقت اس نے خود کو ایک عفریت کے پنجے سے آزاد ہوتا محسوس کیا تھا۔

"واقعی مجھے خوامخواہ کی قربانی دینے اور اپنی زندگی کو سمجھوتے کی نذر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ موسیٰ کے ساتھ وہ سوٹ بھی کرے گی۔ اسے یوں بھی سیدھی سادی لڑکیاں پسند ہیں اور نا صرف اس کی خالہ سے خوب بنتی تھی بلکہ وہ رانیہ کا بھی معترف ہے بلکہ وہ تو اس کے اچھے خاصے قصیدے پڑھا کرتا ہے وہ تو میں نے ہی کبھی غور نہیں کیا۔" اس کا ذہن آگے کی اڑان میں بھر رہا تھا۔ اور امی بے چاری خوش تھیں کہ کم از کم ان کا مشورہ مان کر وہ رانیہ کے متعلق سوچنے پر تو رضا مند ہو ہی گیا تھا۔

وہ شام کی چائے کی تیاری میں مصروف تھی اور موسیٰ مسلسل اس کا دماغ چاٹنے میں۔

"پتا نہیں تمہارا کیا بنے گا لڑکی! میں تو سخت پریشان ہوں تمہاری طرف سے۔" وہ مصنوعی تشویش کا اظہار کر رہا تھا۔ رانیہ آزردہ سی ہو گئی۔

"مجھے پتا ہے کہ میری وجہ سے تم لوگوں کو بہت پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ جبھی تو میں نے خالہ جان سے کہا تھا کہ مجھے دو ہیں۔"

"شٹ اپ......!" اس کا مدعا جان کر وہ یکلخت ہی اسے ڈانٹ گیا تھا۔ پھر اسے گھورنے لگا۔ سیاہ آنکھوں میں نمی کی تحریر واضح تھی اور تاثرات میں آزردگی۔

"بے وقوف لڑکی! مجھے سمجھ نہیں آتی کہ تم اپنی خود ترسی کی دنیا سے کب نکلو گی؟ کیا اب مجھے اتنا بھی حق نہیں ہے کہ میں تم سے مذاق بھی کر سکوں؟ ان چند ماہ

میں کیا بدل گیا ہے۔ تم...... میں یا یہ دنیا؟“ وہ اب بھی اسی اپنائیت بھرے انداز میں اسے ڈانٹ رہا تھا۔

”مجھے نہیں پتا۔“ وہ اس کے یوں علی الاعلان بے وقوف کہنے پر خفا سی ہو کر پلٹ گئی تھی۔

”مگر مجھے پتا ہے کہ تم بہت بے وقوف لڑکی ہو۔“ وہ اس کے غصے کا محرک اچھی طرح جانتا تھا سو مزید چڑانے کی خاطر بولا۔

”پتا ہے مجھے۔“ ایک دم ہی سے وہ ہار گئی تھی۔ یہ اس کا وتیرہ تو نہیں تھا سو اس کی تشویش بجا تھی۔

”کیا ہوا ہے رانیہ!“

”کچھ نہیں۔“

وہ رخ موڑے کھڑی تھی۔ موسیٰ نے اس کا بازو تھام کر اس کا رخ اپنی طرف کیا تو حسب توقع اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

”تم نے وعدہ کیا تھا مجھ سے کبھی نہ رونے کا اور اب پھر تم......؟“ وہ شکایتی لہجے میں کچھ تڑک سا گیا تو اس کے آنسو چھلک گئے۔

”میرا صرف وعدے پر ہی اختیار ہے۔“ موسیٰ نے لب بھینچے پھر شاکی لہجے میں بولا۔

”مجھ سے کیے وعدے کی کوئی وقعت نہیں تمہاری نظروں میں۔“

”اب رو دوں بھی نا......؟“ وہ بے بس سی ہو گئی تھی جبھی

”کبھی باہر نکل کے دیکھو رانی بی بی! ہزاروں لڑکیاں یتیمی کا سایہ سر پر لیے سڑکوں پر رل رہی ہیں۔ جن کے آگے پیچھے کوئی نہیں جو ان کے سروں پر ہاتھ رکھ سکے۔ تم تو خوش قسمت ہو۔ اتنے سارے محبت کرنے والے لوگ ہیں تمہیں سنبھالنے کے لیے، تمہیں تحفظ دینے کے لیے۔“ وہ اپنے مزاج کی شوخی کے برعکس بالکل سنجیدہ تھا۔ جبھی وہ نادم ہوئی۔

”میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا رانیہ! جب بھی خدا کی طرف سے کوئی امتحان یا کوئی آزمائش آئے تو سوچ لینا چاہیے کہ اس سے بھی بڑا امتحان اس سے بھی بڑی آزمائش آسکتی تھی اور پھر خدا کا شکر ادا کر کے اس سے حوصلہ مانگنا چاہیے۔ بہت جلدی صبر آجاتا ہے اس عمل سے۔“ وہ خاموشی سے اسے سن رہی تھی۔ موسیٰ نے اس کا سر پکڑ کر ہلایا۔

”آئی بات سمجھ میں؟“

”ہوں......!“

وہ سمجھے سے انداز میں کہہ کر کچن اور مگوں میں چائے نکالنے لگی۔ مگر وہ اتنی آسانی سے پیچھا چھوڑنے والوں میں سے نہیں تھا۔

”کیا سمجھی ہو؟“

”یہی کہ خدا کی آزمائش کو صبر و تحمل سے برداشت کرنا چاہیے اور خود کو اس آزمائش کے قابل بن کے دکھانا چاہیے۔“ وہ اب بالکل نارمل تھی۔ موسیٰ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”تم تو بہت اچھی اسٹوڈنٹ ہو۔“

”وقت بہت بڑا استاد ہے۔ اچھے اچھوں کے کس بل نکال دیتا ہے۔ پھر میں تو ایک کمزور سی لڑکی ہوں۔“ اس کے ہاتھ میں مگ تھماتے ہوئے وہ پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

”انسان کی قوت ارادی مضبوط ہونی چاہیے رانیہ! پھر وقت اور حالات کے تھپیڑے بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور تم میں دو بنیادی چیزوں ہی کی کمی ہے۔ ایک تو مضبوط قوت ارادی اور دوسرے قوت فیصلہ کی کمی۔ کب سے میں کہہ رہا ہوں کہ یونیورسٹی میں ایڈمیشن اسٹارٹ ہو چکے ہیں۔ مگر تم......“ اب کی بار اس کے انداز میں طنز تھا۔ رانیہ نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

”تم جو فارم لائے تھے وہ میں نے فل کر دیا ہے۔“ وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا۔ جو اب بڑی بے پروائی سے کہہ رہی تھی۔

”میں نے سوچا کہ مجھے بھی اپنی صلاحیتوں کو آزما

کر دیکھنا چاہیے۔ یوں بھی گریجویشن کر کے میں نے کون سا تیر مار لیا ہے۔“ وہ ٹرے میں اپنی اور امی کی چائے اور نمکو کی پلیٹ رکھے اس کے پاس سے گزری تو وہ پیچھے سے چلایا۔

”مگر یہ ڈائیلاگ تو میرا ہے۔“

”تمہارا کیا خیال ہے میں خود سے کچھ نہیں سوچ سکتی ہوں۔“ وہ آرام سے کہہ رہی تھی جب کہ وہ اس کے پیچھے چلتا ہوا ڈرائنگ روم تک آیا۔

”بہت اچھے! دیکھ رہی ہیں امی! لوگ کتنے چالاک ہو گئے ہیں؟“ اس نے شکوہ کیا تو وہ بولیں۔

”آج کل زمانہ ہی چالاکی اور تیز طراری کا ہے بیٹے! اچھا ہے نا! اسے بھی زمانے کی سمجھ آ گئی ہے۔“

”سمجھ نہیں آئی بلکہ اسے زمانے کی ہوا لگ گئی ہے۔“ وہ سر ہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ امی پہلے ہی عینی کی باتوں سے جلی بھنی بیٹھی تھیں چڑ کر بولیں۔

”تو کیا برا ہے اس میں؟ یہ سادگی کا زمانہ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اس چیز کی قدر کرتا ہے۔ ہر کسی کو چمکتی دمکتی شوخ چیزیں بھاتی ہیں۔ خاص طور پر تم جیسے نوجوانوں کو......“ اس غیر متوقع گوشمالی پر موسیٰ گڑبڑا گیا تھا۔ جب کہ رانیہ چپ سی ہو بیٹھی۔

”معاف کیجیے گا والدہ محترمہ! آپ مجھے ان نوجوانوں میں شامل مت کریں جو مصنوعی چمک دمک پر جان دیتے ہیں۔ چاہے کوئی چیز کتنی بھی چکا چوند کیوں نہ دی جائے۔ اس کی اصلیت تو سادگی ہی ہے اور اگر آپ لڑکیوں کی بات کر رہی ہیں تو بھی میں کہوں گا کہ سادگی اور بے ریائی سے بڑھ کر کوئی خوب صورتی نہیں ہے۔ انسان کو خوب صورت اس کے نقش و نگار نہیں بلکہ اس کی صلاحیت اور اس کا جوہر بناتا ہے۔ آپ نے سنا نہیں کہ خوب صورت ہونا اہم نہیں بلکہ اہم ہونا خوب صورت ہوتا ہے۔ آدمی کا اخلاق خوب صورت ہونا چاہیے۔“ یہ محض الفاظ نہیں بلکہ حقیقت میں موسیٰ رضا کی فطرت تھی۔ جو کہ وہ دونوں جانتی تھیں۔

”ذرا سی عقل اپنے بڑے بھائی کو بھی دے دو بیٹے! آسائش زندگی نے اس کا دماغ عرش پر پہنچا دیا ہے۔“ امی نے کڑھ کر کہا تو وہ ٹھٹک گیا۔

”بھائی نے ایسا کیا کر دیا ہے؟“ اس کے انداز میں حیرت تھی۔

”گویا امی کے اس غصے اور جھنجلاہٹ کا محرک بھائی ہے؟“ ذہن نے فی الفور نتیجے کی طرف اڑان بھری تھی۔ امی نے جز بز ہو کر موسیٰ کی طرف دیکھا۔ اب رانیہ کے سامنے وہ کیا بتاتیں، خوامخواہ اس کا دل برا ہوتا۔

”یونہی کہہ رہی ہوں جب سے نوکری پر لگا ہے اس کے پاس ہمارے لیے وقت ہی نہیں رہا۔ کبھی جو بیٹھ کر تسلی سے دو باتیں کی ہوں۔“ انہوں نے یونہی بات لپیٹ دی تھی۔ رانیہ بے تاثر چہرہ لیے چائے پیتی رہی۔

”تو یہ بات آپ انہیں ڈانٹ کر ان کا کان پکڑ کر بھی کہہ سکتی ہیں۔“ موسیٰ نے راہ سجھائی۔

”جب اولاد بڑی ہو جائے تو اپنے فیصلوں میں بھی خود مختار ہو جاتی ہے بڑوں کی ڈانٹ بھی اچھی نہیں لگتی۔“

ان کا دل برا ہو رہا تھا۔ نظر بھر کے سامنے بیٹھی رانیہ کو دیکھا۔

بھلا کیا کمی ہے اس میں...... بہت خوب صورت نہ سہی خوش شکل تو ہے نا! اور خوب سیرتی کے تو کیا ہی کہنے! گھر داری میں بھی ماہر ہے۔ مگر آج کے یہ لڑکے! انہوں نے گہری سانس بھری تھی۔

”آپ تو خوامخواہ بات کو اتنا سیریس لے رہی ہیں۔ اگر اتنا دل چاہ رہا ہے ڈانٹنے کو تو مجھے ڈانٹ لیں۔ کان بھی کھینچ سکتی ہیں۔“ موسیٰ نے چائے کا مگ خالی کر کے تپائی پر رکھتے ہوئے بڑی فرمانبرداری کا مظاہرہ کیا تو رانیہ نے مسکرا کر اضافہ کیا۔

"بلکہ چاہیں تو مرغا بھی بنادیں۔ یہ بالکل مائنڈ نہیں کرے گا۔"

"دیکھا! جہاں میری کھنچائی کرنے والی بات ہو وہاں اس کا دماغ کتنا چلتا ہے۔" اسے گھورتے ہوئے موحیٰ نے کہا تو وہ خالی مگ ٹرے میں رکھنے لگی۔ امی نے چاہت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میری بیٹی ہے ہی بہت ذہین۔"

"ہاں! بس کسی کو پتا ہی نہیں چلتا ہے۔" موحیٰ نے طنز کیا وہ اسے چڑانے کی خاطر یونہی مسکراتی رہی۔

اف چچی جان! ڈرائنگ روم کی یہ سیٹنگ بالکل بھی سوٹ نہیں کر رہی ہے۔ ابھی پچھلے ہفتے ہی تو میں رانیہ کو اس بارے میں ساری معلومات دے کر گئی تھی۔ ویسی سیٹنگ کیوں نہیں کی۔"

زیبا کی آمد رانیہ کو ہمیشہ ہی ایک امتحان لگا کرتی تھی۔

زیب النساء عرف زیبا!

اپنے نام ہی کا سا حسن اور زیبائی اس کے انداز و اطوار میں موجود تھی۔ شہزادیوں کی سی آن بان اور حسن والوں کا سا نخرہ۔ اگر اس کی تنک مزاجی سے نظر چرالی جاتی تو حسن و خوب صورتی میں وہ مکمل سے بھی زیادہ نمبر لے جاتی تھی۔ موحیٰ کو جانے کیوں اپنی اس تایازاد سے خاصی چڑ تھی۔ آرام سے بولا۔

"کی تھی نا ویسی سیٹنگ رانیہ جی نے...... چلنے پھرنے کی جگہ ہی نہیں بچی تھی ڈرائنگ روم میں۔ دو مرتبہ صوفے کے پائے سے اور ایک مرتبہ سینٹر ٹیبل سے ٹکرانے کے بعد میں نے ہی اسے اپنی صلاحیتیں بروئے کار لا کر ابھی یہ سیٹنگ کرنے کو کہا تھا۔ دیکھا کتنی اچھی شکل نکل آئی ہے۔ ہمارے ڈرائنگ روم کی اور جگہ بھی۔"

"ہنہ!" زیبا نے بڑی نخوت سے سر جھٹکا اور ایک تیز نظر موحیٰ پر ڈالتے ہوئے بولی۔ "تمہیں تو یوں بھی خوب صورتی کی تمیز نہیں ہے۔"

"کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔" موحیٰ کا انداز ہنوز وہی تھا۔ مگر وہ اپنی خوب صورتی کی کاملیت کی طرف سے اس قدر مطمئن رہتی تھی کہ ایسے طنز اسے کچھ خاص بات نہیں لگا کرتے تھے۔

"مگر سونا ہر حال میں سونا ہی ہوتا ہے۔" ان کی یہ بحث مزید طول کھینچتی کہ اسی وقت عیسیٰ کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔

"عیسیٰ آ گیا۔" امی نے کہا تو رانیہ نے دیکھا زیبا بہت سنبھل کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کا پُر تمکنت و پُر غرور سا انداز نشست، جگر جگر چمکتی آنکھیں اور گلابوں جیسی رنگت۔ رانیہ کو وہ خوب صورتی کی مکمل تصویر لگی تھی۔ موحیٰ نے اسے گھور کر دیکھا جو زیبا کو دیکھے جا رہی تھی۔

"السلام علیکم!" عیسیٰ رضا کے سلام میں روزانہ اس قدر حلاوت نہیں ہوتی تھی۔ یہ یقیناً زیبا کے رخِ زیبا کا کمال تھا۔ جس کے ہونٹوں پر بے حد خوب صورت سی مسکراہٹ آن ٹھہری تھی۔

"تم آج ادھر کیسے؟"

روزانہ گرمی کی گردان کرتا آفس سے آتے ہی سیدھا واش روم میں شاور لینے کی غرض سے گھس جانے والا عیسیٰ رضا اس وقت بہت فرصت میں تھا۔ موحیٰ نے رانیہ کو معنی خیزی سے دیکھا مگر وہ اس تمام منظر کو کوئی معنی پہنائے بغیر اٹھ کر کچن میں آ گئی۔ ٹھنڈے ٹھار شربت سے بھرا جگ لیے وہ دوبارہ لاؤنج میں پہنچی تو وہاں ابھی تک شکوے شکایات کا دفتر کھلا ہوا تھا۔

"کب سے گاڑی لے رکھی ہے اور مجال ہے جو ایک بار بھی لانگ ڈرائیو کی آفر کی ہو۔" وہ خفگی سے کہہ رہی تھی مگر اس کی خفگی میں بھی حسن تھا۔ ہونٹوں پر ہلکی ہلکی سی مسکراہٹ اور آنکھوں میں تفاخر کے لیے کھلا چیلنج۔ عیسیٰ رضا کی طرف مشروب کا گلاس بڑھاتے

ہوئے رانیہ کو حیرت سی ہوئی کہ یہ بندہ بھی اتنی شگفتگی سے مسکرا سکتا ہے۔

"جب تم کہو بندہ حاضر ہے۔"

"ارے جناب! ہم تو اچھے اچھوں کو لائن حاضر کر لیتے ہیں۔" اس نے ابرو کو بڑی تیکھی ادا کے ساتھ جنبش دی تھی۔ رانیہ تو اس کی قاتلانہ اداؤں کی قائل ہونے لگی۔

"تو آپ پولیس فورس کیوں نہیں جوائن کر لیتیں؟" خاصا غیر متوقع سوال موحیٰ رضا کی طرف سے آیا تھا۔ اس قدر ان روٹھنگ جملے نے یقیناً زیبا کو تلملانے پر مجبور کر دیا تھا۔ مگر موحیٰ کے ساتھ بحث اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔ اس لیے محض اسے ایک نگاہِ غلط انداز سے دیکھنے کے بعد وہ دوبارہ اپنے ٹارگٹ کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"تو چلو پھر...... مجھے گھر ڈراپ کر کے آؤ۔"

"ابھی بیٹھو زیبا! کھانا کھا کر جانا تھوڑی ہی دیر تو رہ گئی ہے۔" امی کی یہ بے قراری زیب النساء کے جلدی واپس جانے کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے راج دلارے کی محبت میں امڈی تھی۔ اتنی گرمی میں وہ ابھی گھر میں داخل ہوا تھا اور اب پھر سے...... اگر کیا کیا جائے کہ جب راج دلارا ہی سر کے بل چل کر جانے کو راضی ہو تو......؟

"نہیں چچی جان! میں اتنی جلدی کھانا نہیں کھاتی اور ویسے بھی نئی گاڑی کی خوشی میں عیسیٰ پر ایک پارٹی ادھار ہے۔" وہ تیکھی نظروں سے عیسیٰ کو دیکھتی امی سے کہہ رہی تھی۔

"تم چلو تو آج تمہاری شکایتیں دور کر ہی دوں۔" وہ گلاس خالی کر کے ٹیبل پر رکھتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"بھائی آپ تھکے ہوئے آئے ہیں شاور لے لیں انہیں میں چھوڑ آتا ہوں۔" موحیٰ کی آمد یونہی بدمزہ سی صورت حال کی طرح ہوتی تھی۔ عیسیٰ تو جز بز ہوا سو ہوا زیبا کے تاثرات سے بھی لگ رہا تھا کہ وہ موحیٰ کے متعلق کچھ زیادہ اچھا نہیں سوچ رہی ہے۔

"او کے عیسیٰ! تم پہلے شاور لے کر فریش ہو جاؤ۔ پھر چلتے ہیں۔ اتنی دیر میں اگر کھانا بن گیا۔ تو چچی جان کا گلہ بھی دور کر ہی جاؤں گی۔" وہ زیادہ دیر تک اپنے مہرے کو پٹنے نہیں دیتی تھی۔ فوراً ہی شیریں لب و لہجے میں بولی تو عیسیٰ بھی مطمئن سا ہو کر اٹھ گیا۔ رانیہ اٹھ کر کچن میں آ گئی۔ جہاں کھانا بننے میں ابھی کافی ٹائم تھا۔ اتنی دیر میں یقیناً عیسیٰ اور زیبا چلے جانے والے تھے۔

"رانیہ کیا کر رہی ہے آج کل......؟" وہ امی سے پوچھ رہی تھی۔

"اس قدر سست ہے یہ لڑکی! کیا کرنا تھا اس نے موحیٰ نے ہی کہہ سن کر یونیورسٹی میں ایڈمیشن کرایا ہے۔" امی واقعی اس کی سستی اور خود سے حد درجہ بے پروائی سے عاجز تھیں اب بھی گہری سانس لے کر بولیں۔

"بھلا یہ خود کو نک سک سے ذرا ماڈرن بنا کر رکھے تو کیا مجال ہے عیسیٰ کی کہ باگیں تڑوائے۔" انہیں سخت ملال تھا۔

"یونیورسٹی میں......؟" زیبا کو یقیناً شدید جھٹکا لگا تھا۔

شربت سے لطف اندوز ہوتا موحیٰ پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔ پورے خاندان میں سے کسی بھی لڑکی نے ابھی یونیورسٹی کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔ خود زیبا ایف اے کے بعد گھر بیٹھ رہی تھی۔ تعلیم کی کمی کو اس کی شکل و صورت چھپا لیتی تھی۔

"ہاں میں نے کہا کہ اس قدر ذہین لڑکی کا آگے نہ پڑھنا شدید ظلم ہوگا۔" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اتنی ذہین لگتی تو نہیں۔" وہ ابھی تک پہلے جھٹکے سے سنبھل نہیں پائی تھی۔

"چہروں کا کیا ہے یہ بڑے دھوکے باز ہوتے

ہیں۔ شکل سے تو آپ بھی بہت ذہین لگتی ہیں۔" موسیٰ کا پرسکون اور بظاہر بہت عام سا ستائشی انداز تھا کہ مقابل طنز یا ستائش میں تمیز ہی نہ کر پائے۔

"کیا ضرورت تھی اتنا بکھیڑا ڈالنے کی چچی جان! اچھا سا لڑکا دیکھ کر اس کی شادی کر دیتیں۔ گریجویشن کے بعد تو یوں بھی شادی کر دینی چاہیے لڑکی کی۔" وہ بڑے مدبرانہ انداز میں مشورہ دے رہی تھی۔

امی بے چاری چپ رہیں۔ اگر وہ "اچھا سا لڑکا" شادی کے لیے راضی ہو گیا ہوتا وہ بھلا کب رانیہ کو بھیجے دیتیں۔

"اسی لیے آپ نے گریجویشن نہیں کیا یعنی کہ شادی سے فرار؟" موسیٰ نے اس کی بات اچکی تو وہ بدمزا ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"مجھے پڑھ پڑھ کے بڑھاپا لانے کی کیا ضرورت ہے بھلا!" موسیٰ کو بے ساختہ ہنسی آ گئی تھی۔

"یعنی آپ ایف اے کے بعد تعلیمی سلسلہ منقطع کر کے بڑھاپے کو روکے بیٹھی ہیں؟ حیرت انگیز۔"

"میں ذرا رانیہ کو دیکھوں کیا کر رہی ہے۔" امی اس کی مدد کے خیال سے اٹھ گئی تھیں۔

"جو ہر لحاظ سے مکمل ہو اسے ایسی پیوندکاریوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آج کل لڑکیوں نے اپنے کمپلیکسز کو چھپانے کے لیے اعلیٰ تعلیم اور نت نئے کورسز کی آڑ لینا شروع کر دی ہے۔ مگر مجھے ایسا کوئی کمپلیکس نہیں جس پر میں ڈگریوں کا پردہ ڈالوں۔"

اس کی سوچ نے موسیٰ کو تاسف میں مبتلا کیا تھا۔

یہ حسن و خوب صورتی کو اول و آخر مان لینے والے خودستائشی کے عادی نرگسیت (اپنی محبت) میں مبتلا لوگ۔ جنہیں خود سے آگے کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ اخلاقیات کو کم رو لوگوں کی میراث تصور کرنے والے۔

"خیر یہ تو بالکل ہی غلط بات ہے۔ آپ کا مطلب یہ ہے کہ جو لڑکیاں ڈاکٹر یا انجینئر بن رہی ہیں یا دوسرے شعبوں میں نام پیدا کر رہی ہیں۔ وہ تمام کی تمام کمپلیکسز کی ماری ہیں؟ تو آپ سراسر غلط ہیں۔ میرے ساتھ میڈیکل میں ایک سے بڑھ کے ایک خوب صورت اور ویل آف فیملی بیک گراؤنڈ رکھنے والی لڑکی پڑھ رہی ہے تو انہیں بھلا کس کمپلیکس نے اتنی مشکل فیلڈ میں سر کھپانے پر مجبور کیا ہے؟"

موسیٰ نے قطعیت کے ساتھ اس کے ٹکڑے ٹوٹے نظریے کے پتھر کو اینٹ کے ساتھ واپس کیا تھا۔ درحقیقت موسیٰ کے ساتھ بحث کرنا اور پھر جیتنے کی خواہش بھی رکھنا زیبا کے لیے ایک خواب ہی تھا۔ جس کی گفتگو بھی ہوتی تھی ملبوسات اور سیر و تفریح سے آگے بڑھی ہی نہ تھی۔ اسی وقت فریش سا عیسیٰ لاؤنج میں آیا تو زیبا نے سکھ کی سانس لی۔ آفس کے لباس کے برعکس اس وقت وہ کاٹن کے سفید کرتے شلوار میں بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"چلیں ــــ؟" وہ کہتے ہوئے فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"میں امی کو بتا آؤں۔" عیسیٰ کے اس طرح ماں کی طرف اجازت لینے جانے پر اس کی تیوری پر بل پڑے مگر ساتھ ہی وہ موسیٰ کی طرف دیکھ کر مسکرا دی تھی۔ ان کے جانے کے بعد وہ بھی کچن کی طرف آ گیا۔

"وہیں بیٹھو جا کر یہاں بہت گرمی ہے۔" رانیہ نے اسے متنبہ کیا مگر وہ اس کی ہدایت کو نظرانداز کرتا امی سے کہنے لگا۔

"مجھے سمجھ نہیں آتا کہ بھائی تائی اماں کی فیملی سے اتنا قریب کیوں ہو رہے ہیں۔ جب کہ ماضی میں انہوں نے کبھی ہمیں لفٹ تک نہیں کرائی اور بھائی ہیں کہ ان کی "سپوتنی" کو لانگ ڈرائیو پر لے جا رہے ہیں۔" اس کے انداز میں ناگواری تھی۔ امی نے اسے ٹوک دیا۔

"وہ تمہارے تایا کی بھی بیٹی ہے۔"

"نیا گھر اور گاڑی ملنے کے بعد وہ ہماری کچھ زیادہ

ہی تایازاد بن رہی ہیں۔" وہ اسی جلے بھنے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"تو کیا نیا گھر اور گاڑی ملنے کے بعد ہم رشتے داریاں چھوڑ دیں۔" امی نے اسے گھرکا مگر وہ سخت برگشتہ ہو رہا تھا۔

"آپ بات کو سمجھ نہیں رہیں۔ پہلے تو کبھی ان لوگوں نے ہمیں جھوٹے منہ بھی نہیں پوچھا اور اب جب دیکھو کوئی نہ کوئی منہ اٹھا کے چلا آ رہا ہے۔ لگتا ہے اس گھر، گاڑی حتیٰ کہ بھائی پر بھی ہم سے زیادہ ان لوگوں کا حق ہے۔"

"کس قدر تنگ دل ہو تم موسیٰ! اگر خدا نے ہمیں اچھے اخلاق سے نواز ہی دیا ہے تو تم شکر کرنے کے بجائے پرانے کچے چٹھے کھول رہے ہو؟" امی نے اسے جھڑکا وہ ایسی ہی تھیں بے حد صاف دل۔

"اس طرح کے حساب رکھنے پڑتے ہیں امی جان! لاعلمی میں لٹ جانے اور بالکل میں لٹ جانے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اور میں ان لوگوں کے ارادے بہت اچھی طرح سے سمجھ رہا ہوں۔" وہ اب بھی باز نہیں آیا تھا۔

"توبہ ہے۔ اس لڑکے کے دماغ اور زبان دونوں سے میں بہت عاجز ہوں۔ کا کوئی بنانے میں تو ماہر ہے یہ۔" امی واقعی عاجز آ گئی تھیں۔ اگر عیسیٰ اپنے والد سے منسلک رشتہ داریوں کو ذمہ داری سے نبھا رہا تھا تو اس میں اعتراض والی کون سی بات تھی۔

"اب بس بھی کرو تم تو دماغ چاٹ لیتے ہو بندے کا۔" رانیہ نے اسے ڈانٹا تو وہ شانے جھٹک کر مسکرا دیا۔

"ہاں مگر جب بندہ ہاتھ سے نکل گیا تو پچھتائیں گے آپ لوگ۔" رانیہ بے اختیار امی کی طرف دیکھنے لگی۔ جنہیں موسیٰ کی یہ تنگ دلی بالکل بھی نہیں بھا رہی تھی۔

"میں حماد کی طرف جا رہا ہوں۔ کھانے تک لوٹ آؤں گا۔" وہ کہتا ہوا چلا گیا تھا۔ رانیہ سر جھٹک کر چولہے کی طرف پلٹ گئی۔

"عیسیٰ! جاتے ہوئے رانیہ کو یونیورسٹی چھوڑ دینا۔"

ناشتے کے دوران رانیہ کو تیار بیٹھے ناشتا کرنے میں مصروف دیکھ کر عیسیٰ نے لحظہ بھر کو سوچا تو تھا کیونکہ وہ عموماً اس وقت سب کو ناشتا کروانے کی ڈیوٹی نبھا رہی ہوتی تھی۔ اب وہ ناشتے سے فارغ ہو کر اٹھنے لگا تو امی نے آرڈر دے دیا تھا وہ نا سمجھنے کے سے انداز میں پوچھنے لگا۔

"وہ کس لیے۔" موسیٰ ہنسنے لگا۔

"یونیورسٹی میں آدمی دو ہی کام سے جا سکتا ہے یا تو پڑھنے یا پھر پڑھانے ہاں کوئی لڑکا ہوتا تو تیسری وجہ بھی ہو سکتی تھی۔"

"سیدھی بات کیا کرو۔" امی نے اسے ڈانٹ دیا پھر گویا عیسیٰ کو متاثر کرنے والے بڑے میٹھے لہجے میں بولیں۔

"ذہین تو یہ شروع ہی سے بہت ہے پھر شوق بھی تھا۔ آگے پڑھنا چاہتی تھی تو میں نے کہا کہ لے لو ایڈمیشن آج خیر سے پہلا روز ہے اس کا۔" وہ تفصیل بتا کر اس امید میں اس کا چہرہ دیکھنے لگیں کہ شاید وہ حیرت یا خوشی کا اظہار کرے تو انہیں رانیہ کی مزید خوبیاں گنوانے کا موقع مل جائے مگر قدرے توقف کے بعد وہ سنجیدگی سے بولا۔

"اور واپسی میں یہ کیا کرے گی؟"

"کیا مطلب واپسی پہ کیا کرے گی؟" امی نے خفگی سے کہا تھا۔ "خیر سے اپنی گاڑی ہے اور پھر تم روزانہ دوپہر کے کھانے پر فارغ ہی تو ہوتے ہو۔ اسے گھر چھوڑ جایا کرنا۔"

"جایا کرنا، یعنی مستقل ڈیوٹی!" عیسیٰ رضا کے اندر سرخ بتی نے جل کر خطرے کا اعلان کیا تھا۔

"یہ تو بہت پرابلم ہو جائے گی امی! ابھی یہ لیٹ تو

بھی ہیں۔ اس سے تو اچھا ہے کہ یہ پوائنٹ کے ذریعے سفر کرے۔ لڑکیوں میں خود اعتمادی آتی ہے تنہا سفر کرنے سے۔" اس نے بظاہر بڑے خلوص سے مشورہ دیا تھا اور امی نے کچھ کہنے کو لب کھولے ہی تھے کہ اس سے پہلے اس "دبی دبائی" لڑکی نے اس کی طرف دیکھ کر بڑے اطمینان سے پوچھا۔

"آپ سے کس نے کہا کہ مجھ میں خود اعتمادی کی کمی ہے؟" بھائی کو گڑبڑاتے دیکھ کر موسیٰ کو ہنسی آنے لگی۔ پھر وہ امی کی طرف متوجہ ہوئی۔

"میں تو پہلے ہی آپ سے کہہ رہی تھی کہ میں پوائنٹ سے ہی چلی جایا کروں گی۔ سیکڑوں لڑکیاں جاتی ہیں۔" اس کا اعتماد قابل رشک تھا۔ بے اختیار موسیٰ کا دل چاہا اس کا شانہ تھپتھپا کر شاباشی دے۔ حالانکہ اس کا یہ انداز موسیٰ کے لیے بہت غیر متوقع تھا۔ جتنی پر اعتماد وہ تھی یہ موسیٰ کو خوب علم تھا۔ یقیناً عزت نفس پر بن آنے کی وجہ سے مقابل کو چار چوٹ کی مار دی جا رہی تھی۔

"مگر میرا دل نہیں مانتا۔ حالات اچھے نہیں ہیں۔" امی اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔

"او کے" پتا نہیں کس دل سے عینی نے ہامی بھری تھی۔

"او کے کزن بیسٹ آف لک۔" موسیٰ نے مسکراتے ہوئے اسے وش کیا تھا۔ امی نے پیشانی چوم کر دعا دی۔

"کتنی خوب صورت جوڑی ہے ماشاءاللہ۔" اسے عینی سے ایک قدم پیچھے جاتے دیکھ کر امی نے حسرت سے کہا تو موسیٰ بڑبڑایا۔

"جی مشرق اور مغرب۔" انہوں نے پھر آہ بھری تھی۔

"یہ لڑکا مان جائے بس۔"

"کیا مطلب کون انکاری ہے؟" وہ چونکا امی کو اپنا دکھ بیان کرنے کا موقع مل گیا۔

"یہی تمہارا بھائی اور کون۔ صاف انکار کر دیا ہے اس نے رانیہ سے شادی کرنے سے۔" اسے سن کر واقعی افسوس ہوا پھر پوچھنے لگا۔

"انکار کی کوئی وجہ بھی تو ہوگی۔"

"یونہی خود کو زیادہ ماڈرن سمجھنے لگا ہے۔ کہتا ہے کہ رانیہ سے شادی نہیں کر سکتا۔ بڑی سیدھی سادی اور پرانے دور کی لڑکی ہے میرے ساتھ نہیں چل سکتی۔ یہ جیسے افلاطون کا بچہ ہے۔"

وہ پھر تاسف و غصے کا شکار ہونے لگی تھیں۔ موسیٰ کو ہنسی بھی آئی اور ذہن میں دفعتاً ہی ایک سوچ بھی لہرائی۔ تو وہ یونہی مسکراتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"یہ سب رانیہ کو تو نہیں کہا آپ نے؟"

"تو میرا کیا دماغ خراب ہوا ہے۔ کیسا صدمہ پہنچتا تھا اس بے چاری کو۔"

"پھر بھی امی اگر یہ سب اسے نہیں معلوم تو پھر یہ یونیورسٹی۔"

حسن کی ادا ہے وجہ نہیں
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

وہ پرسوچ انداز میں کہہ رہا تھا۔ امی نے اسے گھورا۔

"کیا بک رہے ہو؟"

"یونہی کچھ حساب کتاب لگا رہا ہوں۔ اگر ٹھیک لگا تو پھر میں ہر حال میں یہ شادی کروا کے رہوں گا۔" وہ کس انداز میں کہتا امی کا دل خوش کر گیا۔

عینی نے بخش ناشتے کی میز پر خود سے سرزد ہونے والی بے مروتی کے خمیازے کے طور پر اس سے اس کے مضامین پوچھے تھے اور ان دس منٹوں میں دوسری بار اس عام سی دکھائی دینے والی لڑکی نے اسے حیران کر دیا۔

"آرٹس کمبی۔۔۔؟" وہ درحقیقت یہی قیاس کیے ہوئے تھا کہ رانیہ بی اے اسلامیات یا پھر زیادہ سے

زیادہ اردو ادب میں ماسٹرز کرنے کا شوق پال بیٹھی ہو گی۔

"اتنا مشکل مضمون۔" وہ نا چاہتے ہوئے بھی کہہ گیا تو قدرے توقف کے بعد وہ سنجیدگی سے بولی۔

"شاید آپ میرے متعلق کافی غلط فہمی کا شکار ہیں۔ خدا کے فضل سے میں خود اعتماد بھی ہوں اور خود آگاہ بھی۔ میرا ایڈمیشن میرٹ پر ہی ہوا ہے۔" اس کے انداز نے عیسٰی کو خاموش کرا دیا۔

"بجلی اور خشک مزاج ہے۔ تبھی تو اکنامسٹ بننے جا رہی ہے۔" درحقیقت اسے رانیہ سکندر کا "دنیا بھی میں ہے۔" والا انداز بہت چبھا تھا۔ شاید اس کی اسی خشک مزاجی کا بدلہ لینے کی خاطر یونیورسٹی پہنچ کر گاڑی روکتے ہوئے اسی کے سے انداز میں بولا۔

"شاید واپسی پر میں تمہیں پک نہ کر پاؤں موسٰی کو فون کر دوں گا۔ اگر وہ فارغ ہوا تو آ جائے گا۔" وہ خاموشی سے اتر کر گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ لب بھینچتے ہوئے عیسٰی نے گاڑی آگے بڑھا دی اور رانیہ سکندر واقعی اتنی اہم نہیں تھی کہ عیسٰی رضا جیسے بندے کو یاد رہ جاتی۔ محض آفس پہنچنے تک کے دورانیے میں وہ اس کے ذہن سے محو ہو چکی تھی۔

❁..........❁..........❁

یونیورسٹی کا پہلا دن ہی اس کے لیے بہت اچھا ثابت ہوا تھا۔ وہ گھبرائی ہوئی تو تھی مگر اسی گھبراہٹ نے دو خوش مزاج و خوش گفتار لڑکیوں حمیرا اور صباحت کو اس کی طرف بڑھنے پر مجبور کر دیا تھا اور کچھ دیر کے بعد وہ تینوں خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔

"مجھے تو اکنامکس سے عشق ہے۔" صباحت کا بیان تھا اور حمیرا کا اس سے قطعی مختلف۔

"میرے پاپا کو اکنامکس سے عشق ہے تبھی میں اس ڈپارٹمنٹ میں ہوں۔" اس کی شکل کے زاویے دیکھ کر وہ دونوں ہنس دیں۔

"اور تم......!" صباحت نے اس سے پوچھا تو پہلے دوا سے دیکھنے لگی پھر آہستگی سے بولی۔

"یونہی اتفاق سے بی اے میں اچھی پرسنٹیج آ گئی تھی تو میں نے بھی لے لیا۔" صباحت کو اس کے جواب پر حیرت ہوئی تھی جب کہ حمیرا نے باقاعدہ حسرت سے آہ بھری۔

"کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جو ترجیح یا سبجیکٹ رکھتے ہیں۔ ایک ہم ہیں کہ ابا جان کی کھینچی ہوئی لکیر سے ایک انچ بھی ادھر یا ادھر نہیں سرک سکتے۔"

وہ دونوں اس کی آہ و زاری پر پھر سے ہنس دی تھیں۔

آخری پیریڈ اٹینڈ کرنے کے بعد وہ صباحت اور حمیرا کے ساتھ گیٹ کی طرف آ گئی۔

"آج کا دن تو یونہی ہنسی مذاق میں گزر گیا۔ ابھی دیکھنا کل سے پڑھائی کی ریل ایسی چلے گی کہ شاید اصل اسٹیشن سے بھی دو فرلانگ آگے ہی جا کر رکے۔" حمیرا کو اپنی آزادی سلب کیے جانے کا شدید صدمہ تھا۔ جب کہ وہ دونوں مصنوعی ہمدردی سے اس کی ڈھارس بندھا رہی تھیں۔ وہ واپسی پر موسٰی کی آمد کی توقع کر رہی تھی مگر عیسٰی رضا کو گاڑی میں موجود پا کر اس کی حیرت دو چند ہو گئی۔ صبح اس کے خشک انداز سے وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ واپسی پر اسے لینے آنا نہیں چاہتا ہے۔ ان دونوں کو خدا حافظ کہہ کر وہ گاڑی کی طرف بڑھ آئی۔ اس نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولنا چاہا تو اسے محسوس ہوا کہ وہ مقفل تھا۔ اس نے دوبارہ کھولنے کی کوشش کی تو خیال بھی تھا کہ اب کی بار عیسٰی خود کار لاک کا بٹن پریس کر کے دروازہ کھول دے گا مگر وہ یونہی بیٹھا چہرہ موڑے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ جھنجلا کر اگلی نشست کے کھلے شیشے میں جھکی۔

"دروازہ تو کھولیے۔"

"میں تمہارا ڈرائیور نہیں ہوں جس کی موجودگی میں تم پچھلی سیٹ پر بیٹھ رہی ہو۔" وہ ناراضگی سے بولا تو وہ گہری سانس لیتی سیدھی ہو گئی۔ عیسٰی نے دروازے کا لاک کھولا تو وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ وہ بہت تیز رفتاری سے گاڑی چلا رہا تھا۔ ماتھے کی شکنیں اور بھینچے ہوئے لب اس کے موڈ کی خرابی کی گواہی دے رہے تھے۔ اسے گھر کے باہر ہی ڈراپ کر کے وہ گاڑی لے اڑا تھا۔ رانیہ نے امی کو پورے دن کی روداد سنائی تھی۔

"بس یونہی خوش رہا کرو رانیہ! میرا دل بھی مطمئن رہتا ہے۔" وہ اسے خوش دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔ سالن وہ بنا چکی تھیں ان کے منع کرنے کے باوجود رانیہ نے گرم گرم روٹیاں ڈال لیں۔

"کل سے میں سالن بھی بنا کر جایا کروں گی۔" پانی کا جگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

"مجھے کیا یونہی فارغ رکھ کر بے کار کر دو گی؟" وہ مسکرائیں۔ تو وہ بھی انہی کے انداز میں بولی۔

"آپ کو عیش کرواؤں گی۔"

"خوش رہو بس مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔" وہ مغموم سی ہو گئیں۔

"خالہ! عیسٰی کو آپ نے فون تو نہیں کیا تھا مجھے پک کرنے کے لیے۔" بہت دیر سے ذہن میں اٹکا سوال اس کی زبان پر آ ہی گیا تھا۔

"ہاں تو اور کیا!" وہ سادگی سے بولیں۔ "آج پہلا دن تھا! میں نے سوچا کہیں بھول ہی نہ جائے کہہ رہا تھا میٹنگ ہے موسٰی کو بھیج دیں۔ میں نے بھی کہہ دیا کہ تم ہی جاؤ گے تو فوراً مان گیا۔" ان کے انداز میں محسوس کن تفاخر تھا۔

"آپ رہنے دیتیں خالہ! میں پوائنٹ سے آ جاتی۔ ٹھیک کہہ رہے تھے وہ اس سے لڑکیوں میں خود اعتمادی بڑھتی ہے۔" اسے عیسٰی رضا کے ماتھے کی شکنیں یاد آ رہی تھیں۔

"تم چپ رہو۔ اسے اپنی ذمہ داریوں کا پتا ہونا چاہیے۔ اگر میں ہی اسے ڈھیل دیتی رہی تو وہ تو بالکل ہی ہاتھوں سے نکل جائے گا۔" انہوں نے اسے ڈانٹ دیا تھا۔ وہ چپ ہو گئی۔ تو وہ پوچھنے لگیں۔

"تمہیں تو کچھ نہیں کہا اس نے؟"

"نہیں۔" اس نے جگ اپنی طرف گھسیٹا تھا۔ پھر گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے سرسری انداز میں بولی۔

"یونہی ان کا موڈ دیکھ کر مجھے لگا کہ وہ اپنی مرضی سے مجھے پک کرنے نہیں آئے ہیں۔"

❁..........❁..........❁

صباحت اور حمیرا کی دوستی نے بہت جلد اسے اس کی خود ساختہ قنوطیت اور بے پروائی کے خول میں سے نکال لیا تھا۔ وہ دونوں آزاد اور بے فکرے ماحول کی پروردہ زندگی کو ہلے گلے سے گزارنے کی عادی تھیں۔ اس لیے ان کے ساتھ رہتے ہوئے رانیہ کا خود میں سمٹے رہنے کا کوئی جواز نہیں بنتا تھا۔

ایک ماہ کے اندر ہی اس میں بہت تبدیلی آ گئی تھی۔

"کیا بات ہے پارٹنر! اب تو دکھائی دینا بھی بند ہو گئی ہو؟" رات کو موسٰی اس کے کمرے میں چلا آیا۔ تو اس نے چونک کر کتاب پر سے سر اٹھایا تھا۔ پھر اسے دیکھ کر مسکرا دی۔

"اس کا تو بہت صاف مطلب ہے کہ اب تمہیں عینک لگوا لینی چاہیے۔ تمہاری نظر کمزور ہو گئی ہے۔"

"بڑی پڑھائی ہو رہی ہے۔" وہ اس کے بستر پر مائیکرو اکنامکس کی کتابیں بکھری دیکھ کر متاثر ہونے والے انداز میں بولا تو رانیہ نے کتابیں سمیٹ کر اس کے بیٹھنے کی جگہ بناتے ہوئے صاف گوئی سے کہا۔

"خوامخواہ مجھے جھاڑ پر چڑھا رہے ہو ورنہ تمہاری میڈیکل کی بکس دیکھ کر تو مجھے خفقان شروع ہو جاتا تھا۔"

"تمہاری پڑھائی کیسی جا رہی ہے۔" وہ بیٹھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا پھر قدرے ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"تم مذاق تو نہیں اڑاؤ گے؟"

"ایسی کیا بات ہے؟" وہ حیران ہوا تھا۔

"پڑھائی بہت اچھی جارہی ہے اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ مجھے اکنامکس پڑھتے ہوئے بہت زیادہ مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑ رہا جیسا کہ دوسرے کئی اسٹوڈنٹس کو مسئلہ ہوتا ہے۔"

"ہاں جاؤ لڑکی! تمہیں ابھی خود کو کھوجنے اور دریافت کرنے کی بہت ضرورت ہے۔ اپنی صلاحیتوں پر اعتبار کرو گی تو بہت جلد خود کو پالو گی۔" وہ ہمیشہ کی طرح اسے نصیحت کر رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ یونہی سرسری انداز میں یا او پری دل سے اس کی باتیں سن کر سر ہلا دیا کرتی تھی مگر اب وہ جانتی تھی کہ موسیٰ غلط نہیں کہہ رہا ہے۔

"بس جو تھوڑی بہت پرابلم ہوتی ہیں انہیں حل کرنے کے لیے حیرا نے مجھے پیش کش کی ہے کہ میں اس کے ساتھ اس کے پاپا سے مدد لے لیا کروں۔ اکنامکس تو ان کی فنگر ٹپس پر ہے۔ پوزیشن ہولڈر ہیں۔ صباحت بھی انہی سے مدد لیتی ہے۔ میں نے کہا کہ گھر سے پوچھ کر بتاؤں گی۔"

"کیسی آفر تو دونوں ہاتھوں لینا چاہیے لڑکی! تم بس امی کو بتا دیتیں اور جب جی چاہے پڑھائی میں مدد لے لیتیں۔" وہ کہہ رہا تھا رانیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ویسے پارٹنر یونیورسٹی نے تم میں بڑا زبردست چینج آیا ہے۔ بڑی پر اعتماد لگتی ہو اب۔" وہ سراہنے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔ پھر شرارت سے اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"زیادہ خود اعتمادی تو پوائنٹ کے ذریعے سفر کرنے سے آئی ہوگی۔ ویسے اگلے روز بھائی کی شکل دیکھنے والی تھی جب امی نے انہیں بتایا کہ تم پوائنٹ سے چلی گئی ہو۔"

"میں کسی بات کا بدلہ لینے کے لیے ہرگز پوائنٹ میں سفر نہیں کر رہی بس میں کسی پر اپنی وجہ سے خوامخواہ کا بوجھ ڈالنا نہیں چاہتی۔ مسلط ہونا نہیں چاہتی۔" وہ یکلخت ہی سنجیدہ ہوگئی تھی۔

"بے وقوف ہو تم! عیسیٰ رضا جیسا بندہ کبھی کبھار کسی کی ڈرائیوری میں آتا ہے اور تم نے تو ہاتھ آیا موقع گنوا دیا۔ اپنی دوستوں میں شو ہی بنا لیتیں کہ اتنا ہینڈسم کزن ہے تمہارا۔" وہ اب بھی اسی موڈ میں اسے چھیڑ رہا تھا۔

"عزت اور شہرت وہی پائیدار ہوتی ہے جو انسان کو اپنے حوالے سے ملے کسی کی وجہ سے اہمیت حاصل کرنا یہ تو ایسے ہی ہوا کہ آپ کسی ایسے ملک کے صدر بن جائیں جس کا کہیں وجود ہی نہیں۔" وہ رسان سے بولی۔ تو موسیٰ نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر اس کے جملے کی داد دی۔ پھر بولا۔

"تھوڑی سی عقل اس زیبا بی بی کو بھی دے دو۔ سوائے نخروں کے جسے کچھ آتا ہی نہیں۔"

"اسے وہی سوٹ کرتا ہے۔ جس کے پاس جو کچھ ہو وہ اسی پر ناز کرے گا۔" وہ مطمئن تھی۔

"اور مجھے ایک بات تو بتاؤ تم کیوں اس کی طرح ٹپ ٹاپ سے نہیں رہتیں۔ اکنامکس میں ماسٹرز کرنے کے لیے عقل چیز اسرار ازی تو نہیں ہوتا۔"

"یہ تو خالہ جان ڈالتی ہیں سر میں اور رہی بات ٹپ ٹاپ سے رہنے کی تو میں کم از کم زیبا جتنی ماڈرن تو نہیں ہو سکتی۔" وہ صاف گوئی سے بولی۔

"اوہ......!" موسیٰ جھنجلایا پھر بے اختیار بولا۔

"اسی لیے تو کسی کو نظر نہیں آتیں۔" رانیہ لمحہ بھر کو ٹھٹکی ایک نظر اسے دیکھا۔

"کس کو......؟" موسیٰ سنبھل کر بولا۔

"میرا مطلب ہے کہ ماسوائے میرے بس مجھ کو نظر آتی ہو اور کسی کو نہیں۔"

"تو بس ٹھیک ہے نا!" رانیہ نے شانے اچکا کر آرام سے کہا تو موسیٰ کو سمجھ نہ آئی کہ وہ اسے کس طرح سے سمجھا کر عیسیٰ رضا کے لیول تک لے آئے۔ مگر شاید وہ اس کی بات کی گہرائی کو پا گئی تھی۔

"یہ اس سے دو روز بعد کی بات تھی۔

وہ اسپتال سے جلدی لوٹ آیا۔ امی نے خاص تلقین کی تھی رانیہ اس کے لیے ٹھنڈا شربت لے کر آئی تو اس سے بات کرتا موسیٰ ٹھٹک کر رہ گیا۔ کھلتے رنگوں کے لباس میں ملبوس مسکراتی ہوئی رانیہ اس جل چھڑ کر بکھرنے والی رانیہ سے بالکل جدا لگ رہی تھی۔

"یا خدا! یہ کوئی خواب ہے کیا؟ امی حضور! یہ انارکلی ہے تو پھر وہ کون خاتون تھیں جنہیں صدیوں پہلے دیوار میں چنوا دیا گیا تھا؟" گلاس تھامتے ہوئے وہ ایسی اداکاری کر رہا تھا کہ رانیہ کے ساتھ ساتھ امی کو بھی ہنسی آگئی۔ وہ پریشانی میں شربت کے گھونٹ بھرتا ساتھ ساتھ رانیہ کو دیکھے جا رہا تھا۔

"شکر کرو کہ آج کے دن ہی سہی اس کا بھی جی چاہا کہ کچھ اچھا پہن لے۔ الماری بھری پڑی ہے کپڑوں سے مگر یہ ہاتھ نہیں لگاتی۔" امی کا شکوہ بھی بجا تھا۔

مگر وہ اپنی ازلی سستی کا کیا کرتی۔

لیکن اب اگر اس راہ پر چل کے منزل حاصل ہوتی تھی تو کیا برا تھا؟ اس نے آج منزل کی جانب پہلا قدم اٹھایا تھا۔

"اب تم فٹافٹ کپڑے تبدیل کر کے آؤ۔" رانیہ نے اسے کہا تو وہ منمناتے انداز میں بولا۔

"سوری بھئی! ابھی کوئی مروت دکھانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ اتنی راتوں سے نائٹ شفٹ کر رہا ہوں۔ آج تو جی بھر کے سوؤں گا۔"

"خبردار!" رانیہ نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"واللہ! کاجل بھی پہنتی ہو تم؟" وہ اس قدر بے ساختگی سے بولا کہ رانیہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"کاجل لگاتے ہیں آنکھوں میں بیٹا جی! پہنتے نہیں۔" امی مسکرائیں تو وہ جل سا ساتھ کھڑا ہوا۔

"وہی...... وہی اور پہلے کون سا یہ بھی اتنے ڈھنگ کے حلیے میں نظر آئی ہے۔ آج تو سب کچھ عجیب سا ہی لگ رہا ہے۔"

"اب بس بھی کرو میں تو صاف ستھری لگ کے شرمندہ ہو رہی ہوں۔" رانیہ نے اسے گھر کا پھیرا کرے کی طرف جاتے دیکھ کر بولی۔

"اور تم پانچ منٹ میں باہر آ رہے ہو۔ سمجھے!"

"آ رہا ہوں بابا!" وہ ہنستا ہوا چلا گیا۔

ذرا دیر بعد باہر آیا تو جمائیوں پر جمائیاں لیتا۔

"کہیں لے کر نہیں جاؤں گا میں جو بات کرنی ہے پانچ منٹ میں کرو۔ میں بس بیڈ پہ گر کے سو جاؤں گا جا کے۔" وہ مسکراتی ہوئی ٹرے میں اپنے ہاتھوں سے بیک کیا ہوا بادام اور شہد کی ٹاپنگ سے سجا کیک لیے چلی آئی۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو......!"

"خدا صحت کے ساتھ لمبی عمر دے میرے بچے کو اور کامیابیاں۔" امی نے اس کی پیشانی چومی تو وہ جو جھک کے سینٹر ٹیبل پر پڑے دھکتی رانیہ کو حیرت سے دیکھ رہا تھا گڑبڑا گیا۔

موم بتیوں کی لو اس کے چہرے کو کیا اور انوکھا سا حسن بخش رہی تھی۔ رانیہ نے چھری اس کی طرف بڑھائی۔

"جلدی کرو! چار منٹ رہ گئے ہیں باقی۔" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولی تو موسیٰ نے سر جھٹکتے ہوئے چھری تھام لی۔ اسی وقت عیسیٰ نے بھی اندر قدم رکھا۔

"ارے واہ! یہاں کیا سلیبریٹ کیا جا رہا ہے؟" وہ حیران ہوا تو موسیٰ نے برجستہ کہا۔

"وہی جو آپ کو یاد نہیں رہتا۔" عیسیٰ کو فوراً ہی یاد آ گیا آگے بڑھ کے اسے گلے سے لگا کے وش کیا۔

"آئی ایم سوری! صبح تک تو یاد تھا۔ بس آفس کی مصروفیت میں بھول گیا۔ واپسی میں تائی جان نے بلا لیا تو بس......!" اس کا انداز معذرت خواہانہ تھا۔ کیونکہ موسیٰ ہمیشہ اس کا برتھ ڈے یاد رکھتا تھا۔

"خیریت تو تھی؟" امی متفکر ہوگئیں۔

"جی......!" وہ بس اتنا ہی کہہ سکا۔ اب کیا بتاتا کہ

تائی جان کی بیٹی نے "لائن حاضر" کر رکھا تھا۔ موسیٰ نے اچھی طرح سمجھتے ہوئے بے زاری سے سر جھٹکا۔ عیسیٰ کا زیبا کی طرف جھکاؤ اب بالکل واضح تھا۔

اور پھر موسیٰ نے اپنے تئیں قسم ہی کھالی۔ رانیہ کو بدلنے کی۔

یہ کلر پہنو یہ نہ پہنو۔ اس بوتیک سے ڈریس لاؤ۔ وہاں سے مت خریدو۔ یہ کھاؤ یہ پیو اس طرح رہو۔ موسیٰ نے چن چن کے عیسیٰ کی پسند و ناپسند رانیہ پر لاد دی (مگر عیسیٰ کا نام بیچ میں لائے بغیر) اور وہ بے چاری تو آنکھیں بند کیے موسیٰ کے کہے پر عمل کیے جاتی۔

"شاباش! گڈ گرل۔ منزل کے بہت قریب ہو تم!" موسیٰ نے چہک کر اس روز کہا جب عیسیٰ نے رانیہ کے بدلے ہوئے روپ کی تعریف کی۔ تو وہ جھینپ سی گئی۔

زیبا کا چکر کافی عرصے بعد لگا تو وہ رانیہ کا پر اعتماد اور انوکھا سا روپ دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"چائے......؟" رانیہ نے اسے متوجہ کیا تو وہ چونکی۔

"بہت چینج آ گیا ہے تم میں۔" زیبا کا بات کرنے کا اپنا ہی مسخرانہ انداز تھا۔

"چلو یونیورسٹی جانے کا کوئی تو فائدہ ہوا۔"

"ارے مزے تو آپ کے ہیں جو یونیورسٹی نہ جا کے بھی فائدے اٹھا رہی ہیں۔"

موسیٰ کون سا اس سے کم تھا۔ رانیہ نے تنبیہی نگاہوں سے اسے دیکھا مگر وہ ان دیکھا کر گیا۔

"اور سنائیں آج کل کون سی نئی ڈش پکانا سیکھی ہے آپ نے؟" زیبا کا موڈ بگڑنے لگا۔ موسیٰ آج اسے گھیرنے کے موڈ میں تھا۔ عیسیٰ ابھی چینج کر کے آیا تھا۔ خوش دلی سے مسکراتے ہوئے جواب اس نے دیا۔

"بھئی زیبا بہت اچھی کوکنگ کرتی ہے۔ خصوصاً چکن کباب ہانڈی مسالے والی مجھے تو بے حد پسند آئی اور میٹھے میں فرنی لاجواب۔"

امی نے شکوہ کناں نگاہوں سے موسیٰ کو دیکھا جیسے شکایت کر رہی ہوں۔ بیٹا تو ہاتھوں سے نکلا جا رہا تھا۔ بھلا اپنے تایا کے گھر جاتا بلکہ کھانا تک کھا کے آتا تھا اور گھر میں کسی کو خبر نہ تھی۔

"ہم تو تب مانیں جب کبھی ہمیں کھلائیں۔" موسیٰ کے لب و لہجے میں آنچ سی تھی۔

"کیوں بھائی کی زبان پر اعتبار نہیں ہے تمہیں۔" زیبا تنک کر بولی۔

"ثبوت کے بغیر ہم کوئی دعویٰ نہیں مانتے جناب! یہ ہماری رانیہ بی گریٹ نا صرف ماسٹرز کر رہی ہے بلکہ کوکنگ میں بھی ماسٹر ہے۔ کیوں بھائی؟" موسیٰ تو رانیہ کی تعریف کا کوئی موقع جانے نہ دیتا تھا مگر رانیہ کے ہاتھ کے ذائقے کا معترف ہونے کے باوجود عیسیٰ اس کی تائید کر کے زیبا سے ہاتھ نہیں دھونا چاہتا تھا۔

"رانیہ کا اس سے بھلا کیا مقابلہ یہ تو شہزادی زیب النساء ہے۔" وہ دل بری والے انداز میں بولا تو امی کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج گئی۔ موسیٰ نے لب بھینچتے ہوئے رانیہ کو دیکھا جو بے تاثر چہرے کے ساتھ چائے کے برتن سمیٹ رہی تھی۔ پھر زبردستی مسکرا کر تفاخر سے بولا۔

"اور یہ رانیہ ہے اردن کی ملکہ رانیہ۔"

"سچ کہا تم نے رانیہ جیسا تو کوئی نہیں۔" امی کو بھی عیسیٰ کا والہانہ انداز پسند نہ آ رہا تھا۔ سو جی جان سے موسیٰ کی حمایت کی۔ مگر عیسیٰ اور زیبا دونوں ہی کو رانیہ کے قصیدے پسند نہ آ رہے تھے۔ سو عیسیٰ فوراً ہی زیبا کو ڈراپ کر کے آنے کا بہانہ کر کے اٹھ گیا۔ زیبا نے تفاخر سے سر بلند کرتے ہوئے عیسیٰ کی معیت میں قدم بڑھائے تھے۔

اور پھر موسیٰ کی ساری محنت بے کار گئی۔ عیسیٰ نے

صاف لفظوں میں رانیہ کے لیے انکار کر کے امی کو زیبا کے لیے پروپوزل لے جانے کا کہا تو وہ بھی چپ سی ہو گئیں۔ جوان اولاد جب آپ کی بات نہ مانے تو اس کی بات مان لینی چاہیے۔ خسارہ کم ہوتا ہے۔ یا کم از کم آپ خسارے میں نہیں رہتے۔ انہوں نے بھی یہی کیا۔

موسیٰ نے ٹٹول ٹٹول کر رانیہ کا چہرہ دیکھا مگر وہ اپنا دکھ چھپانے میں شاید ماہر ہو چکی تھی۔ نا کوئی غم نا بہت خوشی۔ مگر موسیٰ کا دل اس کا دل ٹوٹنے کے خیال سے بہت دکھی تھا۔ بے چاری نے کتنی محنت کی تھی خود کو عیسیٰ کی پسند میں ڈھالنے کے لیے اور انعام کیا ملا؟ کبھی کبھی تو موسیٰ کو حیرت ہوتی۔ جانے عیسیٰ کو رانیہ کیوں دکھائی نہ دیتی تھی جب کہ اس کا بدلا ہوا روپ اور نکھرا ہوا انداز موسیٰ کو بار بار ٹھٹکا دیتا تھا۔ مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ عیسیٰ کے قدم زیبا تک تھم چکے ہیں۔ وہ اس سے آگے بڑھنا ہی نہیں چاہتا تھا تو آج کی رانیہ کو کیا دیکھتا۔ عیسیٰ کے بہت مجبور کرنے پر امی موسیٰ کے ساتھ مٹھائی کا ٹوکرا لے گئیں کہ جیٹھانی تو پہلے ہی رشتہ مانگ بیٹھی تھیں۔ اب تو محض رسم باقی تھی۔ مگر وہاں ان کے تو مزاج ہی نہیں مل رہے تھے۔

"بھئی رانیہ کا تو کچھ کریں جوان لڑکی گھر میں بیٹھی ہے اور تم بیٹا بیاہ رہی ہو؟"

"اس کا اس معاملے سے کیا تعلق؟" امی تو امی موسیٰ بھی چونک کر ناگواری سے انہیں دیکھنے لگا۔

"لو بھئی تعلق کیوں نہیں؟ یہاں تو اصلی نندوں کو بھابیاں کھٹکتی ہیں وہ تو پھر......؟" تائی جان کی ذہنیت ابھی بھی ویسی ہی تھی۔ تعجب یہ زیبا کی پڑھائی کی ہی تھی۔ ان کا ایک ہی مطالبہ تھا پہلے رانیہ کو اپنے گھر بار کا کرو پھر ہی زیبا اور عیسیٰ کے رشتے کی بابت سوچا جا سکتا ہے۔ امی کا بی پی شوٹ کرنے لگا ان کا سرخ پڑتا چہرہ موسیٰ سے چھپا ہوا نہ تھا۔

"اب ان دونوں کی شادی کرنے کے لیے رانیہ کو گھر سے نکال تو نہیں سکتے نا۔"

"نکالنے کو کون کہہ رہا ہے۔ شادی کر دو اس کی عیسیٰ اور زیبا کے ولیمے والے روز بارات رکھ لو۔" وہ انتہائی اطمینان سے یوں بولیں جیسے رانیہ پانچ برسوں سے منگنی شدہ ہو۔

"رانیہ کے لیے بھی خدا کی طرف سے بہتری ہو گی بھابی! آپ زیبا کے لیے تو ہامی بھریں۔ میں تو سیدھے سبھاؤ شادی کی تاریخ لینے آئی ہوں۔" امی اپنا غصہ، ناگواری اور انا کو بیٹے کے پیار تلے دبائے رسان سے بولیں تو انہوں نے تیز لہجے میں کہا۔

"دیکھو بھئی بات صاف ہے۔ میری بچی یہ نند وند کے جنجال میں نہیں پڑ سکتی۔ تم سے تو خیر اور رشتہ ہے مگر وہ کون سا کسی کی نند ہے۔" وہی مخصوص تنگ ذہنیت۔ موسیٰ اپنی جگہ تلملا رہا تھا۔ ادھر عیسیٰ نے آج ہی اس رشتے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی ضد باندھ رکھی تھی۔ مگر تائی جان تو اپنی بات پہ اٹک ہی گئیں۔

امی اور موسیٰ ان کی شرط ساتھ لیے لوٹ آئے۔

"یہ شرط رکھی ہے تمہاری تائی نے لو بھلا اب گھر سے نکال باہر کروں بچی کو۔ اتنے تنگ دل ہیں ان لوگوں کے؟" امی تو آتے ہی حوصلہ ہار کر رونے بیٹھ گئیں۔

"اُف! رونے والی کون سی بات ہے اس میں شادی تو کرنی ہی ہے رانیہ کی۔ کر دیں بس اتنی سی بات ہے۔" عیسیٰ بہت بدل چکا تھا امی کو احساس ہوا۔

"اس کے لیے لڑکا چاہیے ہوتا ہے شاید۔" موسیٰ نے چبا چبا کر کہا تو عیسیٰ نے اطمینان سے کہا۔

"ہاں تو تم ہو نا!" اس قدر غیر متوقع الفاظ پر موسیٰ کا دماغ بھک سے اڑا۔

"تم تو قدر داں بھی ہو اس کی خوبیوں کے۔"

"آپ سے مشورہ نہیں مانگا میں نے۔" موسیٰ کو الفاظ جمع کرنے مشکل ہوئے۔

"کیوں......؟ اب وہ دنیا کی بہترین لڑکی نہیں

رہی کیا؟" وہ تمسخرانہ انداز میں اسے اسی کے کہے الفاظ یاد کرا رہا تھا۔

"وہ میں نے آپ کے لیے کہا تھا۔" مونی کو کچھ سمجھ نہ آیا کہ کیا کہے۔

"چہ خوب یعنی میرے لیے وہ ایک بہترین لڑکی اور تمہارے لیے نہیں ہے۔" وہ طنزیہ بولا۔

"امی اس سے آپ کا رشتہ طے کرنا چاہتی ہیں۔" مونی نے تحمل سے جواب دیا پھر مزید بولا۔

"میں نے کبھی اس کے متعلق نہیں سوچا۔"

"تو اب سوچ لو۔ میں تو اول روز سے انٹرسٹڈ نہیں ہوں اس معاملے میں۔" وہ بے پروائی سے بولا۔

"آپ اپنے مسائل کی گٹھڑی میرے سر پر رکھنے کی کوشش مت کریں۔" مونی کو غصہ آنے لگا۔

"یس......!" عیسیٰ نے ہنس کر امی کو متوجہ کیا۔ "وہ بہترین لڑکی اب مسائل کی گٹھڑی ہوگئی۔"

"آپ اس معاملے میں مجھے مت لائیں۔ بات آپ کی اور رانیہ کی شادی کی ہو رہی ہے۔ فیصلہ امی کے ہاتھ میں ہے وہ جو چاہیں وہی فیصلہ کریں گی اور اس گھر میں سب کو قبول کرنا ہوگا کیونکہ امی نے آج تک ہماری اور اس گھر کی بھلائی کے لیے ہی فیصلے کیے ہیں۔"

مونی کا چہرہ دہک رہا تھا اور لب و لہجے سے آنچ سی اٹھ رہی تھی۔ چند لمحوں کے لیے تو عیسیٰ بھی کچھ نہ بول پایا پھر قدرے توقف کے بعد تیوری چڑھا کر بولا۔

"امی! امی بھلا کیا فیصلہ کریں گی؟ میرا مطلب ہے کہ امی کو تو اولاد کی خوشی سامنے رکھ کے ہی فیصلہ کرنا ہے نا؟"

"ہاں......!" ان کے لبوں سے سرد آہ نکلی۔ "ایک وقت آتا ہے کہ ماں کی خوشی پس پشت چلی جاتی ہے اور صرف اولاد کی خوشی مقدم رہ جاتی ہے۔" وہ متاسفانہ انداز میں بولتے ہوئے لحظہ بھر کے لیے رکیں پھر مضبوط لہجے میں بولیں۔

"تمہاری ساس کو رانیہ کی شادی نہ ہونے پر اعتراض ہے اور میں نہیں چاہتی کہ تمہاری مخالفت میں فیصلہ کر کے تمہاری زندگی خراب کروں۔ مگر آج افراتفری میں زبردستی اسے ایسے آنکھیں بند کر کے کہیں نہیں دھکیل سکتی۔" وہ ذرا رکیں پھر مونی کو دیکھتے ہوئے باقی بات مکمل کی۔ "جتنا مونی اسے جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا اور میری یہی خواہش ہے کہ رانیہ اسی گھر کی بہو بنے۔ عیسیٰ نہ سہی مونی سہی۔ اس کی حیثیت تو وہی رہے گی نا!" امی نے بھی دھماکا کر ہی دیا۔

مونی کی رنگت پھیکی پڑ گئی۔ جب کہ عیسیٰ نے فوراً آگے بڑھ کر تشکرانہ انداز میں ماں کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیے۔

"یس گریٹ امی جان! میں بھی یہی چاہتا تھا کہ میرے نہیں تو مونی کے توسط سے آپ کو یہ خوشی ضرور مل جائے۔" امی تمام گلے شکوے بھول کر مسکرا دیں۔ عیسیٰ نے ترچھی نگاہوں سے مونی کی طرف دیکھا۔ "اور مونی کو تو یقیناً کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ جتنی انڈر اسٹینڈنگ ان دونوں کے بیچ ہے وہ اس رشتے کے لیے آئیڈیل ہے۔" مونی کے لیے یہ موضوع، یہ فیصلہ بے حد اچانک اور تکلیف دہ تھا۔

"جس کی زندگی کا فیصلہ ہے اس سے بھی کسی نے پوچھا ہے یا وہ کوئی بے جان مورت ہے؟" وہ [illegible] ہونے لگا کہ رانیہ کو اس طرح سوچنا بھی اسے گناہ لگتا تھا۔

"وہ امی کی ذمہ داری ہے۔ اپنے آپ فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں ہے وہ۔" عیسیٰ نے جلدی سے کہا۔ وہ کسی طور اس فیصلے پر کوئی آنچ نہ آنے دینا چاہتا تھا۔

"یہاں تو اپنی اولاد والدین کے فیصلوں کو پاؤں کی ٹھوکر میں رکھتی ہے بھائی! وہ تو پھر بھانجی ہے۔" مونی نے بھرپور طنز کیا۔ مگر عیسیٰ نے جو کھیل کھیلنا تھا وہ کھیل چکا تھا اب اسے اس طنز و تشنیع کی پروا نہ تھی۔

"وہ مجھ پہ چھوڑ دو۔" دفعتاً امی نے آگے بڑھ کے اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھرا اور اس کی فراخ پیشانی چوم لی۔

"میں صدقے میری لاج رکھنے والا میرا شہزادہ بیٹا!" ان کی آواز میں کپکپی تھی۔ مونی کا دل پسیجا تو احتجاج کے الفاظ اندر سمٹتے رہ گئے۔ وہ دانتوں پر دانت جمائے اپنا ضبط آزما کر رہ گیا۔

عیسیٰ نے فوراً زیبا کو یہ خوش خبری پہنچائی تو وہ اچھل ہی تو پڑی۔

"کیا کیا کہہ رہے ہو تم؟" اسے لگا جیسے کچھ غلط سن لیا ہو۔ عیسیٰ ہنسا۔

"دیکھا کیسے مسئلہ حل کیا تمہارا۔"

"اُس......؟" وہ چونکی۔

"یہ کیسا حل نکالا ہے تم نے؟"

"کیا مطلب؟ تمہیں کو اس کا کنوارا رہنا خطرہ لگ رہا تھا۔ میں نے امی کی توجہ مونی کی طرف کروادی۔" وہ کچھ سمجھ نہ پایا تھا کہ زیبا کی ناخوشی کی کیا وجہ ہے۔

"اوہو میں نے یہ کہا تھا کہ اس کی شادی کروا کے کہیں رخصت کریں۔ یہ تو نہیں کہا تھا کہ مستقل کا سردرد گھر میں ہی پال لیں۔" وہ خوب ہی بگڑی جھنجلائی۔ عیسیٰ کی تیوری پر بھی بل پڑنے لگے۔

"تمہارا مسئلہ کیا ہے زیبا! محض رانیہ کی شادی یا اس کا اس گھر سے چلے جانا؟" اس کے لب و لہجے کی تبدیلی نے زیبا کو سنبھلنے پر مجبور کر دیا۔

"خیر مجھے کیا ویسے وہ مونی کے ساتھ سوٹ نہیں کرتی۔ ڈاکٹر بن چکا ہے وہ۔"

"تو وہ کون سا انگوٹھا چھاپ ہے۔ اکنامکس میں ماسٹرز کر رہی ہے۔ میں نے تو تم سے بھی کہا تھا کہ آہستہ آہستہ پڑھائی مکمل کر لو۔ کم از کم گریجویشن......؟"

"لو جی......!" زیبا نے دانت پیسے۔ "اب ہر

وقت کی مقابلہ بازی ہوا کرے گی۔

"اسے اپنے احساسِ کمتری پر پردہ ڈالنے کے لیے اس سے سرکھپائی کی ضرورت ہے۔ مجھے تو خدا نے ذہانت اور حسن دونوں سے نواز رکھا ہے۔" اس نے غرور سے کہا۔ عیسیٰ ہنسا پھر اسے چھیڑتے ہوئے بولا۔

"اچھا ویسے کہتے ہیں کہ خوب صورت عورت بے وقوف ہوتی ہے۔"

"پتا نہیں تم خود ہی اندازہ کرلو کہ میں نے تمہیں پسند کیا ہے اب یہ بے وقوفی ہے یا عقل مندی؟" وہ بھی شرارت کے موڈ میں آئی تو عیسیٰ اپنے لفظوں سے پھر گیا۔

"ارے نہیں میری جان! تم میں تو حسن و ذہانت کوٹ کوٹ کے بھرے ہوئے ہیں۔"

"مان گئے ہو آخر!" وہ اٹھلائی۔

"ارے ہم ایسے ہی تو دیوانے نہیں ہو گئے اور سب سے بڑا گن تمہارا سگھڑاپا۔ مجھے خود کوئی نہیں گھر اور کچن کو سنوارنے کا بھی شوق ہے تمہیں۔" وہ متاثر ہونے والے انداز میں بولا۔

"ہاں یہ تو ہے۔ مگر پھر قدر بھی اتنی ہی کرنی پڑے گی میری۔"

"تم کل تو جاؤ ایک بار پھر اپنے ہونے پہ رشک کیا کرو گی۔" اس کا لہجہ بوجھل ہو کر سرگوشی میں ڈھلا تو زیبا کی ہنسی میں بھی خمار اترنے لگا۔

وہ نیم تاریک کمرے میں بستر پر اوندھا پڑا زندگی کے اس اچانک اور غیر یقینی الیے پر غور کر رہا تھا جس سے اچانک ہی واسطہ پڑ گیا تھا۔ ایسے ہی جیسے بھاگتے کو غیر متوقع طور پر ٹھوکر لگے اور وہ منہ کے بل آن گرے۔ امی کا یہ فیصلہ اس کی زندگی کے بھاگتے گھوڑے کو ایسے ہی ٹھوکر لگا گیا تھا۔ اور وہ بہت ذہین دوسروں کو چٹکیوں میں اڑانے والا اب اوندھے منہ پڑا اس الیے کا سوگ منا رہا تھا۔ امی نے کمرے میں داخل ہو کر لائٹ آن کی تو اس نے ناگواری سے سر اٹھا کر آنے والے کو دیکھا۔ پھر امی کو سامنے پا کر سیدھا ہو کر تکیے سے ٹیک لگالی۔

"تم کیوں صبح سے کمرے میں بند پڑے ہو؟ کیا چھٹی کے مزے لے رہے ہو؟" انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ موسیٰ سے بہت خوش ہیں۔ موسیٰ خاموش رہ کر جیسے انہیں اپنی خفگی جتا رہا تھا۔ اور وہ کون سا بچی تھیں۔ اچھی طرح اس کی خفگی سمجھ رہی تھیں۔

"کیا بات ہے موسیٰ! پچھتا رہے ہو میرا کہا مان کر؟" اس نے خفگی سے پُر نگاہ امی پر ڈالی۔

"بات پچھتانے کی نہیں امی! پہلے آپ کو مجھ سے بات کرنی چاہیے تھی۔"

"کیوں؟ کیا میرا تم پر اتنا بھی حق نہیں کہ میں خود سے تمہارے لیے کوئی فیصلہ کرسکوں؟" ان کے انداز میں یکلخت ہی اتنی مایوسی اور شکستگی اتر آئی کہ موسیٰ جیسا سب کا خیال کرنے والا بندہ شرمندہ ہو گیا۔

"وجہ یہ نہیں امی! مگر رانیہ کی خوشی سب سے زیادہ اہم تھی۔" وہ کہنا تو چاہتا تھا کہ اس کی خوشی عیسیٰ کی رضا ہے۔ موسیٰ رضا نہیں۔ مگر امی نے پرجوش لہجے میں بتایا۔

"اگر تم اس وجہ سے پریشان ہو تو بے فکر رہو۔ یہ بات میں نے رانیہ سے پوچھنے کے بعد ہی کی ہے۔" وہ گویا بے یقینی کے عالم میں انہیں دیکھے گیا۔ تو وہ پھر بولیں۔

"اسے اس رشتے پر بھلا کیا اعتراض ہوتا ہے۔ جتنی تم سے اس کی دوستی ہے جتنا تم اسے سمجھتے ہو وہ کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔" موسیٰ نے گہری سانس بھری۔ (امی بات کا تو رونا ہے؟)

"چلو اب تو مسکرا دو خوش ہو جاؤ۔" امی نے پیار سے اس کے بال سنوارے تو وہ بمشکل ہی مسکرا پایا۔

"اللہ تیرا شکر ہے۔ میں اپنی مرحومہ بہن کی روح

کے آگے سرخرو ہوئی۔" وہ بے حد خوش تھیں۔ اور موسیٰ...؟ اس نے اپنا آپ ٹٹولا۔ تو دل بے حد سرد محسوس ہوا اور اندر بے پناہ خاموشی۔

اور پھر ایک ماہ کے اندر اندر امی نے ایسی پھرتی سے دونوں شادیوں کی تیاری کی کہ اپنی تمام بیماری بھول بھال گئیں۔

"ابھی منگنی کر دیں۔ میری ہاؤس جاب تو ختم ہونے دیں شادی جاب کے بعد۔" موسیٰ کا ایک بھی واویلا انہوں نے نہ سنا تھا۔ وہ زیبا اور رانیہ کو اکٹھے شاپنگ کے لیے لے جاتیں بری کے تمام کپڑے اور زیور وہ ان دونوں کی پسند سے خریدنا چاہتی تھیں۔

رانیہ تو ذرا بھی دلچسپی نہ دکھاتی مگر زیبا تو ہر کپڑا ہر جوڑا اپنی پسند سے لے رہی تھی۔ انہوں نے دونوں بہوؤں کے لیے ایک سے جوڑے لینے چاہے تو زیبا نے صاف لفظوں میں منع کر دیا۔

"چچی جان! رانیہ کے لیے آپ اپنی پسند سے لے لیجیے۔ میں ایک جیسے یونیفارم نہیں پہن سکتی اور ویسے بھی میں اپنے سارے کپڑے میچنگ سے تیار کرواؤں گی۔" رانیہ نے خدا کا شکر ادا کیا۔ ورنہ جیسے ڈارک اور برائٹ کلرز زیبا اپنی بے تحاشا گوری رنگت کو نمایاں کرنے کے لیے خرید رہی تھی وہ رانیہ تو کبھی نہ پہنتی۔

اس نے اپنے لیے میڈیم کلرز پسند کیے اور باقی تمام امی پر چھوڑ دیا۔ وہ اس کی سعادت مندی پر خوش تھیں۔

"تمام رنگ تمہاری پسند کے لیے ہیں رانیہ نے... خوب جچے گی تم دونوں کی۔" امی نے بطور خاص موسیٰ کو بتایا تھا۔ موسیٰ کو بے اختیار یاد آیا۔

(عیسیٰ کی پسند میں ڈھلنے والی...... اب مجھ سے بھاگ کر جائے گی کہاں؟)

اور پھر وہ دن بھی آیا کہ در و دیوار پہ شادمانی کا سایہ ہوا اور وہ دو اپسراؤں جیسی دلہنیں اس گھر میں اتریں۔ عیسیٰ کے ہر انداز میں شوخی اور زیبا کی ہر ادا میں اتراہٹ۔ مگر موسیٰ کی مسکراہٹ بھی سوچ تھی اور رانیہ کا انداز پرسکون یا شاید پرسکوت موسیٰ یہ بھی سوچ سکا۔

امی کسی کام سے کچن میں آئیں تو اسے فریج سے ٹیک لگائے پانی کی بوتل ہاتھ میں تھامے کھڑا دیکھ کر حیران ہو گئیں۔

"تم کچن میں کیا کر رہے ہو؟" وہ سنبھلا اور پانی کی بوتل منہ سے لگالی۔

"کمال کرتے ہو موسیٰ! تمہارے کمرے میں پانی کی بوتل بھی رکھی تھی میں نے۔"

"اچھا! نظر نہیں آئی۔" وہ نارمل سے انداز میں کہتا مڑ کر فریج میں بوتل رکھنے لگا۔ پھر ان سے پوچھنے لگا۔

"آپ کیوں نہیں سوئیں ابھی تک؟"

"ایسے ہی سب کچھ سمیٹتے سمیٹتے دیر ہو گئی۔ تم چلو اب رانیہ بے چاری انتظار میں تھک گئی ہو گی۔" انہیں فکر تھی رانیہ کو آج ہلکی سی حرارت بھی ہو رہی تھی۔ موسیٰ کو اپنے کمرے میں آنا ہی پڑا۔ اک عجیب سی شرمندگی اور ہلکے پن کا احساس اسے گھیرے ہوئے تھا۔ کوئی ایسا شوہر جس کی بیوی کسی اور کو پسند کرتی ہو اس کے جذبات و احساسات کیسے ہو سکتے ہیں؟

اسے رانیہ سے کوئی امید یا خوش فہمی نہ تھی مگر پھر بھی اسے کمبل اوڑھے بے سدھ سویا پا کر موسیٰ نے خود کو مزید سرد ہوتا محسوس کیا تھا۔

(جاری ہے)

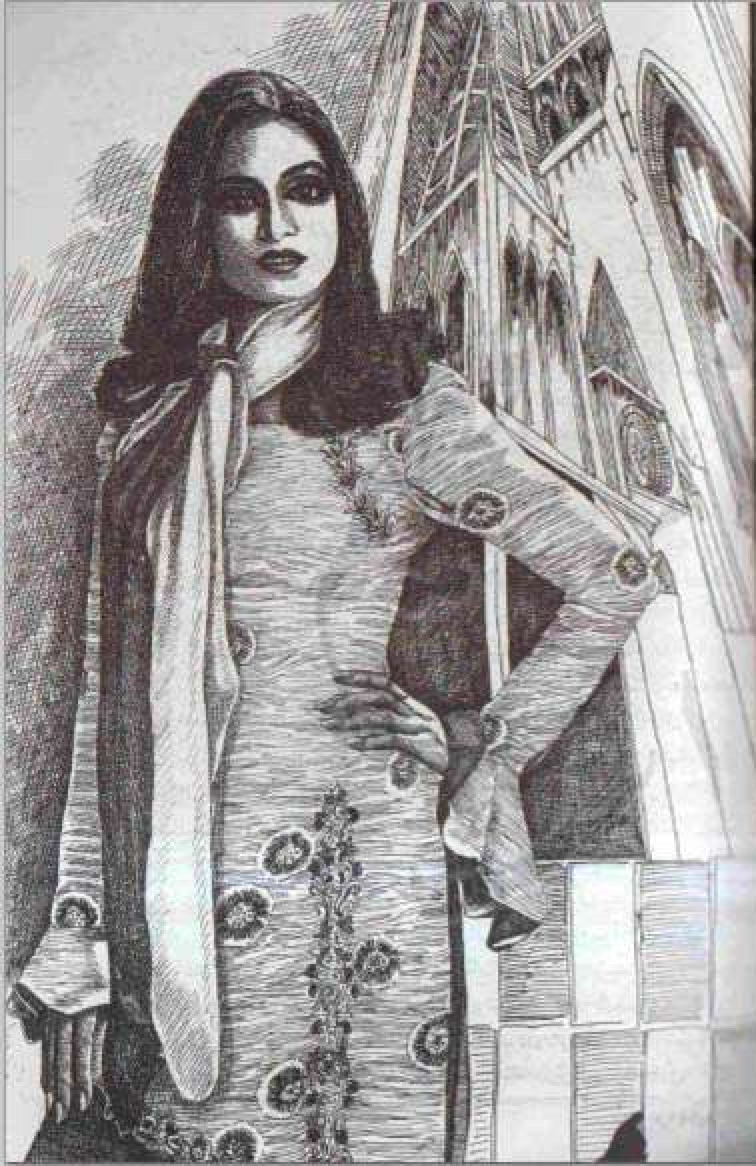

تیرے ہمراہ چلنا ہے

عفت سحر طاہر

سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر

میں اس حصار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں
تمہارے پیار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں
رچا ہوا ہے تیرا عشق میری نس نس میں
میں اس غبار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں

موئی کو غصہ آیا اور جی بھر کے آیا۔ رانیہ کے دوغلے پن پر یا بزدلی پر جو بھی کہا جائے وہ موئی کے ساتھ زندگی نہیں گزارنا چاہتی تھی اور یہ اس نے موئی کو اول روز ہی باور کرادیا تھا۔ چند ثانیوں تک وہ کمرے کے وسط میں کھڑا آنکھوں پر چوڑیوں سے سجا بازو رکھے بے سدھ سوئی رانیہ کو کینہ پرور نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ کبھی یہ لڑکی اس کی سب سے اچھی اور بے لوث دوست ہوا کرتی تھی۔ جانے یہ ریاکاری اور دکھاوا اس نے کہاں سے سیکھ لیا تھا اور اب آئندہ وہ کیا انداز دکھانے والی تھی؟ لائٹ بند کر کے اس نے ڈم لائٹ آن کی اور کپڑے تبدیل کرنے کی غرض سے باتھ روم میں چلا گیا۔ زندگی کے اس دور کے متعلق موئی نے جب بھی کبھی سوچا تو سوچوں میں نرماہٹ سی در آتی۔ وہ اپنی شادی شدہ زندگی کو بہت رومینٹک طریقے سے گزارنا چاہتا تھا۔ کسی ایسی لڑکی کے ساتھ جسے وہ جی بھر کر چاہتا اور وہ فقط اسے چاہتی۔ اس کی سانس کے ساتھ سانس لیتی۔

زیاں کا شدید احساس اس کے دل میں کثافت بھرنے لگا۔ پچھلی زندگی تو گزر گئی اب جو دور شروع ہوا تھا وہ موت تک کا تھا اور پہلی ہی رات جو بے کلی چھائی تھی یقیناً اس سے آگے بھی واسطہ پڑنے والا تھا۔ وہ باہر نکلا تو ڈم لائٹ سے آنکھوں کو مانوس ہونے میں چند لمحے لگے۔ موئی نے غور کیا۔ کمرے میں سوائے فرش کے سونے کی اور کوئی جگہ نہ تھی اور فرش پر سونا اس کی نفاست پسند طبیعت کو قطعاً گوارا نہ تھا۔ چہ جائیکہ چادر ہی کیوں نہ بچھی ہو۔

"ٹھیک ہے جب اسے پروا نہیں۔" کتنے ٹھاٹ سے سو رہی ہے۔ میرا تو پھر بھی یہ ذاتی بستر ہے۔" شانے جھٹکتا وہ آگے بڑھا اور بستر پر دراز ہو گیا۔ مجال تھی جو رانیہ کی نیند میں ذرا سا بھی خلل پڑا ہو۔ وہ بہت سی بدگمانیاں اوڑھ کر سو گیا۔

اگلی صبح روایتی صبح ہرگز نہ تھی کم از کم موئی کے لیے بالوں میں نرم انگلیوں کی سرسراہٹ اور پھر کسی نے اس کا شانہ زور سے ہلایا۔ موئی نے مندی آنکھوں سے ایک نظر رانیہ کو دیکھا اور کروٹ بدل لی۔

"صبح ہوئے کافی دیر ہو چکی ہے جناب! خالہ جان ناشتے پہ انتظار کر رہی ہیں۔" وہ دوسری طرف

سے آ کر اس کی طرف جھکتے ہوئے بولی تو یکلخت موحد کو یاد آیا کہ زندگی کل سے ایک نیا موڑ لے چکی ہے۔ آج تو وہ کسی اور ہی حیثیت سے اس کے کمرے میں موجود تھی۔ ساری نیند پل بھر میں اڑن چھو ہوئی اور وہ اٹھ بیٹھا۔ رانیہ مسکراتے ہوئے چادر تہہ کرنے لگی۔

"آج پہلی بار اتنی جلدی اٹھے ہو ورنہ پورا اصطبل بیچ کے سوتے تھے۔" اس کا انداز پرانا تھا۔ وہی اپنا اپنا اور دوستانہ سا۔ مگر موحد اس جھگڑے میں اس کا ساتھ دینے کو تیار نہ تھا۔ وہ جواب دیے بنا بستر سے اترا اور باتھ روم میں چلا گیا۔ چادر تہہ کرتی رانیہ کے ہاتھ سست پڑے اور ہونٹوں کی مسکراہٹ گم ہوگئی۔ کمرے کی حالت درست کر کے وہ کچن میں چلی آئی۔ جہاں خالہ جان ناشتے کی ٹرے تیار کر رہی تھیں۔

"یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟ میں بس آنے ہی والی تھی۔" وہ بے ساختہ آگے بڑھ کے ٹرے اٹھانے لگی۔

"تمہارا کیا خیال ہے آج مہندی لگے ہاتھوں سے بھی یہی کام کراؤں گی؟" انہوں نے اسے ہاتھ تھام کر پیار سے روک دیا۔ وہ اپنی نئی پوزیشن کا خیال کر کے ذرا جھینپی۔

"میرے ہاتھوں کی مہندی کا رنگ تو دنوں تک نہیں جاتا۔ اب اتنے دنوں مہمان بن کے تو نہیں بیٹھ سکتی میں۔"

"نہ سہی مگر آج تو ولیمہ ہے نا!" وہ مسکرائیں پھر پوچھنے لگیں۔

"موحد اٹھ گیا ہے؟"

"جی.....!" وہ پلیٹ کر ٹرے سے اٹھانے لگی۔ وہ اس کے تاثرات نہ دیکھ پائی تھیں۔

"ہم اکیلے ہی ناشتا کریں گے؟" اسے خیال آیا تو پوچھنے لگی۔

"زیبا کے تو گھر سے ناشتا آئے گا۔ دس تو بج چکے اب ہم کب تک ایسے ہی بیٹھے رہیں۔ وہ دونوں جائیں گے تو کر لیں گے ناشتا۔" انہوں نے خیال ظاہر کیا تو وہ محض سر ہلا کر ڈائننگ ٹیبل کی طرف چل دی۔

امی کے آنے تک موحد بھی آ گیا۔ اس کے سلام کے جواب میں امی نے اسے خوب دعاؤں سے نوازا۔ رانیہ حسب عادت و معمول امی اور پھر موحد کے لیے چائے مگ میں ڈالنے کے بعد موحد کی پلیٹ میں ناشتے کے لوازمات رکھنے لگی۔

"رہنے دو۔" اخبار جھٹک کر سیدھا کرتے ہوئے وہ روکھائی سے بولا۔ "میں صرف چائے لوں گا۔"

"طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟ ناشتا کیوں نہیں کر رہے؟" امی نے فکر سے پوچھا۔ مگر جسے پوچھنا چاہیے تھا وہ اب اپنے لیے ناشتا پلیٹ میں نکال رہی تھی۔

"بس ایسے ہی موڈ نہیں ہو رہا۔" وہ اخبار کے پیچھے گم ہو گیا۔ ناراض اور سنجیدہ سا۔ امی نے حیرت سے رانیہ کو دیکھا وہ یوں ناشتا کرنے میں مگن تھی جیسے آج کا دن کوئی خاص دن نہ ہو یا وہ وہی پہلے والے موحد اور رانیہ ہوں۔ مگر نہیں.....!

اگر وہ پہلے والی رانیہ ہوتی تو اب تک موحد کے ہاتھ سے اخبار چھین کر لپیٹ لپیٹ دیتی۔

"ناشتے کے وقت دھیان سے ناشتا کیا کرو کیسے ڈاکٹر ہو تم؟" وہ اس پر رعب ڈالا کرتی تھی۔ اور اب.....؟

انہوں نے کچھ اندازہ لگانے کی کوشش کی۔ ڈائننگ ٹیبل پہ ان دونوں کی موجودگی کے باوجود چھائی خاموشی کچھ اور ہی کہانی بیان کر رہی تھی۔ مگر اسی

وقت زیبا کے میکے سے اس کی شادی شدہ بہن اور کزنز ناشتا لے آئیں تو ان کا دھیان بٹ گیا۔

"دولہا دلہن کہاں ہے بھئی؟" مہر النساء عرف مہرو جو کہ زیب النساء عرف زیبا کی بڑی بہن تھی آتے ہی پیار کر کے پوچھ رہی تھی۔ ساتھ کنواری کزنز جن میں خالہ اور ماموں زاد بہنیں تھیں ان کی بھی تھیں۔ "ابھی تو وہ دونوں نہیں اٹھے۔" امی نے مختصراً جواب دیا۔

"ہاں ان کی نیندیں ہی پوری نہیں ہو رہیں ابھی تک؟ میں دیکھتی ہوں جا کے۔" وہ مصنوعی حیرت کا مظاہرہ کرتی انہیں اٹھانے چل دیں۔

"آپ تو دلہن لگ ہی نہیں رہیں۔" زیبا کی خالہ زاد نے رانیہ کو دیکھتے ہوئے آنکھیں پٹپٹائیں۔ تو وہ قدرے گڑبڑا گئی کہ اس بات کا اب کیا جواب دے مگر موحد نے اخبار تہہ کر کے بڑے اطمینان سے کہا۔

"دلہن کے سر پہ دو سینگ ہوتے ہیں کیا؟" اب کے سب ہنسی تھیں۔ مگر پہلے پہلے والی اب بھی نہ ہاری۔

"بھئی بندہ تیار شیار ہو کے رہتا ہے شام تک یونہی سادہ سی گھومتی رہیں گی؟"

موحد کا تو بحث کا پورا ارادہ تھا مگر رانیہ نے مختصراً بات ختم کر دی۔

"مجھے یونہی اچھا لگتا ہے۔"

زیبا کی بہن جاتے ہی بگڑتی لوٹی۔

ناشتے کی ٹیبل پر بھی زیبا کی آنکھوں میں نیند بھری تھی۔

"صبح صبح ناشتا لے کے پہنچ گئیں۔ فون کر کے پتا ہی کر لیتیں۔" اس نے جماہی لیتے ہوئے خود سے تین سال بڑی بہن کو لتاڑا۔

"تمہاری صبح تو شام تک نہ ہوتی۔" اس نے جواباً لتاڑا گیا۔

"تو اب بھی نیند کہاں پوری ہوئی ہے۔" زیبا کے منہ پھٹ طبیعت تو تھی ہی مگر یہ بے باکی وہ بھی سب کی موجودگی میں امی تو بہانے سے آرام کرنے کا کہہ کر چلی گئیں۔ عیسیٰ بھی نظروں سے بیوی کو دیکھ رہا تھا۔ زیبا کی کھلی ڈلی گفتگو اس کی کزنز کی ذومعنی ہنسی اور عیسیٰ کا وارفتہ انداز! رانیہ معذرت کرتی اٹھ گئی۔

"ناشتا تو کر لو۔" زیبا کو خیال آ ہی گیا۔

"ہم تو کر ہی چکے تھے۔" وہ رکی نہ تھی۔

"لگتا ہے ان کی بھی نیند پوری نہیں ہوئی۔" با آواز بلند سرگوشی اور پھر دبی دبی ہنسی۔ موحد اندر ہی اندر تلملایا۔

"تم تو ناشتا کر لو۔" عیسیٰ نے اسے متوجہ کیا۔

"آپ سمجھیے مجھے ضروری کام سے جانا ہے۔" وہ کرسی کھسکا کر اٹھتے ہوئے قصداً مسکرایا۔ مگر وہاں ان سب کی محفل اس قدر مکمل تھی کہ کسی کا بھی جانا انہیں محسوس نہیں ہوا تھا۔

وہ گاڑی لیے بے وجہ ہی سڑکوں پر پھرتا رہا۔

اب رنگ زندگی کیا ہوگا؟

فقط ایک ہی سوال ذہن میں گردش کر رہا تھا۔ جانے کتنی دیر تک سڑکوں کی خاک چھاننے کے بعد وہ گھر لوٹا تو امی اس کی منتظر تھیں۔

"تم کہاں آوارہ گردی کرتے پھر رہے ہو؟" اسے دیکھتے ہی وہ ناراض ہونے لگیں۔

"کہیں نہیں تھا۔"

"مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی یہ ہو کیا رہا ہے۔ شادی والا گھر شادی والا لگ ہی نہیں رہا۔" وہ خفا تھیں۔

"میں تو کام سے گیا تھا۔" وہ سر کھجانے لگا۔ امی نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"آج کے دن کے لیے بھی کوئی کام اٹھا رکھا تھا تم نے؟"

"بس ایسے ہی۔" وہ نادم سا ہوا۔

رانیہ نے چائے کا کپ لا کر امی کو تھمایا۔ موسیٰ کی نگاہ بے اختیار اس کی طرف اٹھی۔ صبح سادگی کا دعویٰ کرنے والی اس وقت گہرے فیروزی رنگ کے جھلملاتے کپڑوں میں دمک رہی تھی۔

"ٹائم ہی کتنا رہ گیا ہے فنکشن میں اور ابھی ان دونوں نے پارلر بھی جانا ہے' کون لے جائے گا؟ عیسیٰ صاحب تو ناشتے کے بعد جو سوئے تو پھر جاگے ہی نہیں کہ کوئی ارادہ پوچھا جائے' بمشکل زیبا کو اٹھایا کہ ایک آدھ گھنٹے دار آ گئی تھی۔"

امی کچھ کہہ رہی تھیں شاید ..... وہ چونکا۔

"جی ..... !" اس کی "جی" کچھ سوالیہ تھی تو کچھ چونکنے والی۔ امی کو جی بھر کے اس کی غائب دماغی پر غصہ آیا۔

"شاباش! میں پتا نہیں کون سی حکایت سنا رہی ہوں اور یہ صاحب! اپنے ہی خیالوں میں۔" وہ واقعی خاصی ناراض ہو گئی تھیں۔

"اچھا میں ہی لے جاؤں گا دونوں کو پارلر۔" وہ جان چھڑانے والے انداز میں کہتا کمرے کی طرف بڑھا۔

"تم نے تو کھلی چھوٹ دے دی ہے' ذرا قابو کر کے رکھو۔ اس کے آس پاس رہو۔" امی کی دھیمی آواز کمرے تک سنائی دی۔ وہ رانیہ سے کہہ رہی تھیں۔ موسیٰ لب بھینچتا کمرے میں چلا آیا۔

کچھ تھکاوٹ اور کچھ خالی بستر پر ملکیت کا احساس! وہ شاید نیند کے جھونکے کی زد میں آ گیا۔ ورنہ یہ سونے کا ٹائم تو ہرگز نہیں تھا۔ وہ بھی اس صورت میں کہ وہ آج ولیمے کی تقریب کا دولہا نمبر دو تھا۔ اسے اپنی پیشانی پر کوئی لطیف سا لمس محسوس ہوا اور اس کے بعد بالوں میں سرسراہٹ ..... ! وہ چونک کر بیدار ہوا تھا۔ لمحہ بھر کو ساکت سا لیٹا رہ گیا۔

اس کی نگاہ خود بخود ہی رانیہ کی نگاہوں سے ٹکرائی تو اسے جاگتا پا کر وہ جھینپی اور اس کے بالوں میں سے اپنا ہاتھ کھینچ کر سیدھی ہوئی۔

"اٹھ جاؤ' دیر ہو رہی ہے پارلر لے جانے کی ذمہ داری تمہاری ہے۔" فوراً ہی اسے جگانے کی وجہ بتائی۔

تھوڑی دیر اسے بہت اجنبی نگاہوں سے دیکھتے رہنے کے بعد وہ اٹھ بیٹھا۔ وہ اپنی پارلر ساتھ لے جانے والی اشیاء اکٹھی کر کے بیگ میں رکھ رہی تھی۔ شولڈر بیگ میں زیور رکھ کر پلٹی تو موسیٰ کو عین اپنے پیچھے کھڑا پا کر ٹھٹک گئی۔ پھر فوراً ہی کترا کر سائیڈ سے نکلنا چاہتی تھی کہ موسیٰ کے ہاتھ نے اس کے بازو کو گرفت میں لے لیا۔

"پارلر سے دیر ہو رہی ہے۔" وہ خائف سی ہو کر بولی۔

موسیٰ کی گرفت میں نا تو چاہت کا لمس تھا اور نہ ہی محبت کی نرمی۔

"رومینٹک نہیں ہو رہا ہوں میں۔" اسے ایک جھٹکے سے اپنے سامنے کرتے ہوئے وہ کوئی اور ہی موسیٰ تھا۔ کرخت اور سرد مہر ..... !

"اور نہ ہی اس ان چاہے رشتے میں رومینس کی گنجائش نکلتی ہے۔ جب دل کی رضا شامل نہ ہو' ذہن میں کوئی اور نکاح میں کوئی اور ہو تو میاں بیوی کا رشتہ محض کاغذی کارروائی کہلاتا ہے۔ سمجھیں۔" سپاٹ سا اجنبی لہجہ ..... وہ اسے جھٹکتا واش روم میں گھس گیا۔

رانیہ ششدر سے حواس لیے وہیں ساکت و جامد کھڑی تھی۔

ولیمے کی تقریب گزری تو اس کے بعد دن تیزی سے معمول پر آئے مگر اس گھر کے نفوس جیسے اپنے معمول سے ہٹ گئے۔ عیسیٰ اور زیبا کی صبحیں دیر سے ہونے لگیں۔ رانیہ گم سی تھی تو موسیٰ اجنبی اور لاتعلق! امی چند دنوں میں بوکھلا گئیں۔ عیسیٰ اور زیبا کسی دوست کے ہاں دعوت میں گئے تو امی کے ہاتھ موسیٰ کے کان کھینچنے کا موقع لگا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"جی ..... !" وہ اس کی پلیٹ میں سالن ڈالنے کو بڑھتی رانیہ کا ہاتھ اٹھا کر روکتے ہوئے متفکر ہوا اور پھر اپنے لیے خود سالن نکال لیا۔ انہوں نے موسیٰ کی یہ حرکت نوٹ کی تھی۔

"تو پھر موڈ خراب ہوگا؟" انہوں نے طنز کیا۔

موسیٰ نے نہ سمجھنے والے انداز میں انہیں دیکھا۔

"یہ کیا گھر کا ماحول بنا رکھا ہے تم لوگوں نے؟ بڑا ہے تو وہ اپنی دنیا میں گم ہو گیا ہے ادھر تم ہو تو تمہیں جیسے گھر سے کوئی غرض ہی نہیں۔ اسپتال ہی کو گھر بنا لیا ہے۔ ہاں تو ماں' نئی نویلی دلہن کا بھی کوئی خیال نہیں۔"

(امی کا خیال تو گھر آنے سے روکتا ہے)۔

موسیٰ نے لب بھینچے۔

"بھائی کہاں ہیں؟"

"اس کے کسی دوست کے ہاں دعوت تھی۔" انہوں نے بتاتے ہوئے جتلا بھی دیا۔ "ایک وہ ہے کہ جس کی دعوتیں ختم نہیں ہو رہیں اور ادھر تم ہو' مجال ہے جو کسی دعوت کے لیے ہامی بھری ہو۔ پتا نہیں کیا غلط فیصلہ کر دیا ہے میں نے۔"

"اوہ! امی جان! یہ تو بس چند ایمرجنسی کیسز کی وجہ سے لگاتار ڈیوٹی دینا پڑی۔ ایک ڈاکٹر چھٹی پر تھا مگر اب آپ بے فکر رہیں اگلے چار دن بالکل فارغ ہوں میں۔ لے جاؤں گا آپ کی بہو رانی کو گھمانے۔" اس نے جلدی سے امی کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی سعی کی لفظ 'بہو رانی' میں جو طنز چھپا تھا اسے رانیہ نے شاید پا لیا۔ تبھی ایک نگاہ موسیٰ کے چہرے پر ڈالی۔ اب تو اس کے چہرے پر عجیب سا بیگانہ پن نظر آتا تھا۔ یہ دوست چہرہ کس قدر اجنبی اور پرایا ہو گیا تھا وہ بھی اس قدر قریبی رشتہ بندھنے کے بعد۔

امی فوراً غصہ بھول کر پرجوش ہوئیں۔

"خدا بھلا کرے تمہارا! تو پھر اپنی خالہ کا گلہ دور کر دو۔ کل اسلام آباد کا چکر لگا لو چار دن کے لیے۔ تفریح بھی ہو جائے گی اور عذرا آپا کی ناراضگی بھی دور ہو جائے گی کہ اتنی مرتبہ دونوں بھائیوں کی دعوت کی مگر کوئی نہیں پہنچا۔"

موسیٰ چیں بہ جبیں ہوا۔

"مکمل چھٹی تھوڑی ہے۔ بس اگلے چار دنوں میں کام کا بوجھ کچھ کم ہے اور ایمرجنسی کا کیا ہے' کبھی بھی آ سکتی ہے۔"

"اللہ خیر کرے گا! جس ڈاکٹر کے حصے کی ڈیوٹی دیتے رہے ہو چار دن وہ تمہاری نبھائے گا۔ تم نے تو شادی کے لیے بھی محض ڈھائی چھٹیاں لی تھیں۔" وہ اطمینان سے کہتی موسیٰ کا سکون غارت کر گئیں۔

بھلا ان دونوں کے مابین یہ "ہنی مون ٹائپ" کا تعلق کہاں سے تھا کہ اسلام آباد کے رومینٹک ٹور پر جاتے۔

"نہیں نہیں! ہم دونوں یہیں گھوم پھر لیں گے خالہ کی ناراضگی دور کرنے کے لیے بھائی اور بھابی کو بھیج دیں۔" وہ بولا۔

"وہ تو کبھی نہ نکلیں۔ مگر شادی سے لے کر ابھی تک وہ چھٹیوں پر چھٹیاں کیے جارہا ہے۔ پرائیویٹ نوکری ہے بابا کا آفس تو نہیں کہ کوئی لات مار کے باہر نہ کرے گا۔ اسے تو میں بھٹک بھی پڑنے نہیں دوں گی۔" وہ قطعیت سے بولیں تو موحد نے بے اختیار پہلو بدلا۔

"خالہ کو میں منالوں گا امی! میرا ہاؤس جاب مکمل ہونے میں ایک آدھ مہینہ رہ گیا ہے۔ پھر فارغ ہی فارغ ہوں۔ پھر لمبا چکر لگائیں گے۔" ہلکے پھلکے انداز میں انہیں مطمئن کرنا چاہا مگر انہوں نے اسی قطعی لہجے میں کہا۔

"میں نے کہہ دیا تو بس سمجھو پکا ہوگیا۔ بعد میں جتنے لمبے چکر چاہو لگالینا۔ مگر یہ چار دن تو میں نے طے کرلیے ہیں۔"

"یا اللہ......!"

موحد کا جی چاہا اپنے بال نوچ لے۔ اس نے سنجیدگی سے کھانا کھاتی رانیہ کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تھا۔ مگر وہ جانتا تھا امی کی بات ٹالنے کا مطلب ہے ان کی ناراضگی مول لینا اور اسی سے بچنے کے لیے تو اس نے شادی کے لیے ہامی بھری تھی۔ وہ بددلی سے روٹی کا لقمہ توڑنے لگا۔

"سردی تو یہاں لاہور میں بھی کافی ہے۔ مگر اسلام آباد میں تو صحیح معنوں میں سردی شروع ہوچکی ہے۔ اپنے خوب گرم والے کپڑے اور سوئٹر جرسیاں رکھ لینا ساتھ۔" امی کھلتے لب و لہجے میں رانیہ کو نصیحت کرکے موحد سے مخاطب ہوئیں۔ "ویسے اگر تم چاہو تو ان چار دنوں میں مری کا چکر بھی لگ سکتا ہے۔" موحد جل کر رہ گیا۔

"ہاں! جب تو عذرا خالہ ناراض نہیں ہوں گی نا؟" وہ کھسیا گئیں۔

"ہاں ٹھیک چلو ٹھیک ہے پھر سہی۔" موحد سر جھٹک کر رہ گیا۔ دل ہی دل میں وہ خود کو کوس رہا تھا جس نے اگلے چار دن کی فراغت کا یوں ببانگ دہل اعلان کیا تھا کہ گویا اوکھلی میں ہی سر دے دیا تھا۔

برتن دھوکر کچن سمیٹنے کے بعد وہ کمرے میں آئی تو موحد تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھا۔ اضطرابی انداز میں مسلسل ہلنے والا پاؤں اس کے اضطراب کی نشاندہی کررہا تھا اتنا تو وہ بھی اسے جان ہی گئی تھی۔ وہ سفری بیگ لے کر الماری میں سے کپڑے نکال کر اس میں رکھنے لگی۔

"سادہ سے ہی کپڑے رکھنا ہنی مون ٹور نہیں ہے یہ۔" کٹیلا سا لہجہ۔

"ہنی مون ٹور ہوتا تب بھی سادہ سے ہی رکھتی۔" وہ بدستور کپڑے تہہ کرتے ہوئے آرام سے کہتی موحد کا ضبط آزما گئی۔

"تم منع بھی تو کرسکتی تھیں امی کو۔" وہ اس پر جھنجلایا۔

"تم نے کیا تو تھا میرے کہنے سے کیا فرق پڑتا؟" وہ اپنے مخصوص بے نیازانہ موڈ میں تھی۔ وہی موڈ جس میں آکر وہ کبھی عینی رضا کو کرارے جواب دیتی تھی تو موحد اس کی خوب ہی پشت تھپ تھپاتا تھا۔ مگر آج اس کا یہ موڈ اسے تپا گیا تھا۔

"اس سے کم از کم مجھ پر یہ بات واضح ہوجاتی کہ تمہیں میرے ساتھ ایسے ٹورز پر جانے کی کوئی حسرت نہیں۔" وہ سلگ کر بولا۔

وہ بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے سرسری انداز میں بولی۔

"ہوسکتا ہے مجھے کوئی اعتراض نہ ہو۔" اس کے الفاظ نے جادو کا اثر کیا۔ خون کی گرم لہر موحد کے دماغ

میں دوڑ گئی۔ اچھل کر بیڈ سے اترتے ہوئے وہ اس کے مقابل آگیا تو وہ جو بیگ بند کرکے سیدھی ہی ہوئی تھی سٹپٹا گئی۔

"یہی تو میں پوچھ رہا ہوں۔ تمہیں کیوں اعتراض نہیں؟" عجیب سا لہجہ اور اس سے بھی زیادہ عجیب الفاظ اس قدر قریب وہ پہلی بار کھڑا ہوا تھا۔ اتنے قریب کہ اس کے کپڑوں سے اٹھتی لوشن کی خوشبو رانیہ کے نتھنوں میں گھس رہی تھی۔ موحد نے ان گھبرائی وحشت زدہ آنکھوں کو پہلی بار اتنے قریب سے دیکھا تھا۔ انہی لمحوں میں اسے محسوس ہوا کہ اس کی سیاہ آنکھیں چمکدار اور شفاف تھیں اور یہ کہ اس کی صبیح پیشانی کا حسن اس کے بالوں کی سیدھی مانگ بڑھا رہی تھی اور اس پیشانی اور ان آنکھوں سے تھوڑا ہی نیچے اترے لب۔

"میں اس بندھن میں اپنی مرضی سے بندھی ہوں۔" اس کی قربت سے اگرچہ وہ خائف بھی تھی تو اس نے موحد کو اندازہ نہیں ہونے دیا تھا۔ مگر موحد کو تو ان لمحات میں وہ اپنے حواس پر چھائی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ بری تو وہ موحد کو پہلے بھی نہیں لگی تھی مگر پہلے پسندیدگی کا پیمانہ کچھ اور تھا اور اب کی قربت...... اور وہ اسے اپنے حواس سے جھٹکنا چاہتا تھا بمشکل ہی بولا۔

"کیونکہ تم اس گھر سے جانا نہیں چاہتی تھیں۔" وہ چند ثانیوں تک خاموش رہی اور اتنے عرصے تک موحد اپنا ضبط آزماتا رہا۔

اس نے خفیف سی پلکیں اٹھا کر موحد کو ایک نظر دیکھا پھر بولی تو اس کی آواز کی لرزش موحد سے چھپی نہیں رہ سکی۔

"ہاں یہ سچ ہے۔"

موحد خاموش تھا۔ اس موضوع پر کچھ بھی کہنا اسے اپنی توہین کے مترادف لگتا تھا۔ مگر اس کے تاثرات ایک ہی سوال پوچھ رہے تھے۔

"کیوں......؟"

"اس گھر میں میرا ایک بہت اچھا دوست بھی رہتا تھا۔" وہ شاید جتارہی تھی۔ موحد کے برے رویے کو۔ مگر اس کے الفاظ نے موحد کو ایک دم سے ٹھنڈا کردیا۔ سارا غصہ سارا ابال لمحہ بھر میں پانی کے جھاگ کی مانند بیٹھ گیا۔ واقعی کبھی ان دونوں کے مابین بہت اچھی دوستی ہوا کرتی تھی اور وہ اسے عینی کے ناپ کی لڑکی بنانے کے لیے خوب خوب مشورے دیا کرتا تھا۔ مگر اس نے شادی کی رضامندی بھی تو خود ہی دی تھی۔ چاہے اپنی ماں کا مان بڑھانے ہی کو سہی۔ وہ تو انکار کرنے کی پوزیشن میں تھا پھر اب کاہے کا غصہ؟ وہ بہت ٹھنڈا ہو کر پلٹا اور بستر پر اوندھے منہ گر سا گیا۔ تکیے میں منہ دیے وہ گویا ساری دنیا سے ناراض تھا۔ چند لمحوں تک اسے دیکھنے کے بعد رانیہ سفری بیگ نکال کر اس میں موحد کے کپڑے رکھنے لگی۔

صبح وہ ناشتے کے بعد گھر سے نکلے مگر عینی اور زیبا چونکہ اٹھے نہ تھے اس لیے ان سے ملاقات نہ ہو پائی۔

"رات بھی اتنی دیر سے آنے میں تو سونے جا چکی تھی۔ اپنی چابی سے دروازہ کھول کے آئے تھے اندر دونوں۔" امی نے موحد کو بتایا۔

"پھر تو انہیں ہمارے پروگرام کا بھی پتا نہیں ہوگا۔"

"تم آرام سے جاؤ میں بتادوں گی انہیں۔ ویسے بھی وہ دونوں گھر میں ٹکیں تو ہی بتانا پتا ہوا انہیں۔" وہ اطمینان سے بولیں پھر مشورہ دیا۔

"عیسیٰ کی گاڑی لے جاؤ، اتنا لمبا سفر ہے۔"

"نہیں شہر میں جانا ہوتا تو اور بات تھی۔ شہر سے باہر وہ بھی تین چار روز کے لیے انہیں بھی تو ضرورت پڑ سکتی ہے پیچھے۔" موحد نے فوراً ہی انکار کر دیا۔ پھر انہیں مطمئن کیا۔

"کرائے کی گاڑی لے کے جا رہا ہوں۔ ڈرائیو خود کروں گا۔"

اور اب انہیں امی کی دعائیں سمیٹ کر نکلے آدھا گھنٹہ ہو گیا تھا۔ جب زیبا جماہیاں لیتی کچن پر آ بیٹھی۔

امی وہیں دوپہر کے کھانے کے لیے سبزی بنا رہی تھیں۔

"عیسیٰ نہیں اٹھا ابھی......؟"

"وہی تو اٹھے تھے۔ مجھے تو بعد میں انہوں نے ہی جگایا ہے۔" وہ خفا سی تھی شاید "جلدی" اٹھائے جانے پہ۔

"ناشتا کرنا ہوگا اس نے۔"

"آج آفس جانا تھا اب تو کافی لیٹ ہو گئے ہیں۔" وہ ناگواری بلکہ بے زاری سے بولی تو تیز قدموں سے اس طرف آتا عیسیٰ [illegible] سے بولا۔

"یہ بھی تمہاری ہی مہربانی ہے ڈیڑھ گھنٹے سے الارم بج رہا تھا مگر تم نہیں اٹھیں۔"

"جانا تم نے تھا، تم اٹھتے" کیوں چچی جان۔" زیبا نے ان کی حمایت چاہی مگر وہ خاموش رہیں۔

"اچھا امی جی! میں چلتا ہوں۔"

"ناشتا تو کرلو۔"

"آفس میں ہی کروں گا آج تو باس کی ڈانٹ بھی پکی ہے۔" وہ ان کے سامنے جھک کر سر پر ہاتھ پھرواتے ہوئے بولا اور ساتھ ہی منہ بسورتی زیبا کو دیکھ کے مسکرایا تو وہ بھی کھل کے مسکرا دی۔

"ناشتا بنا دوں تمہارے لیے؟ اب تو دس بجنے والے ہیں۔" عیسیٰ کے جانے کے بعد امی نے پوچھا تو وہ بے دلی سے بولی۔

"ابھی تو دل نہیں چاہ رہا۔" وہ سر ہلا کر مٹر چھیلنے لگیں۔

"موحد اور رانیہ نہیں اٹھے ابھی؟" زیبا کو رانیہ دکھائی نہ دی تھی ورنہ موحد تو ان لوگوں کے اٹھنے تک اسپتال جا چکا ہوتا یا پھر جانے والا ہوتا۔

"اٹھے کیا! وہ تو اسلام آباد کے لیے نکل بھی چکے۔" انہوں نے مٹر کے دانے پیالے میں ڈالتے ہوئے آرام سے کہا تو زیبا کی نیند اڑن چھو ہو گئی۔

"اسلام آباد......؟"

"یعنی ہنی مون!" اسے سب سے پہلا یہی خیال آیا۔

"ہاں میں نے ہی کہا تھا پروگرام بنانے کو۔ کب سے عذرا آپا اصرار کر رہی تھیں۔" انہوں نے بتایا۔

"اصرار تو وہ ہمارے لیے بھی کرتی تھیں۔" زیبا کا لہجہ یوں آپ ہی آپ تیکھا سا ہو گیا۔ جسے انہوں نے محسوس بھی کیا تو نظر انداز کرتے ہوئے آرام سے بولیں۔

"اب بھی اکٹھے تو گھر سے نہیں جا سکتے تھے نا! آج وہ چلے گئے ہیں کبھی تم دونوں چکر لگا لینا۔ بلکہ میں بھی اسی بہانے ہو آؤں گی۔"

"ہنہ" زیبا نے سر جھٹکا اور تمسخر سے سوچا۔

"اب ساس کے ساتھ ہنی مون پہ جاؤں گی۔ اتنے ہی حالات خراب ہیں نا میرے۔"

"گاڑی تو عیسیٰ کی ہی لے گئے ہوں گے؟ بھئی ہمیں یہاں ضرورت پڑتی رہتی ہے۔" پھر وہی تیکھا اور حق جتاتا لہجہ۔

اب کی بار انہوں نے باقاعدہ زیبا کی طرف دیکھا۔ پر غرور اور بڑا اجنبی سا انداز تھا اس کا۔ پھر نرمی سے بولیں۔

"اتنی عقل تو ہے اس میں...... کرائے کی گاڑی لے کر گیا ہے۔ چار دنوں کے لیے۔"

"بڑی رازداری سے پروگرام بنایا ہے دونوں نے۔" اس کی مسکراہٹ میں طنز تھا۔ جسے وہ خوب سمجھیں۔

"رات تم دونوں لیٹ تھے ورنہ رات کھانے پر ہی پروگرام بنا تھا اور صبح تو یوں بھی تم لوگ دیر سے اٹھتے ہو ان سے ملاقات کیا ہو پاتی۔" انہوں نے اپنے لب و لہجے کو تلخی سے پاک ہی رکھا تھا۔ زیبا کی طبیعت سے وہ اچھی طرح واقف تھیں۔ اس کی ماں کے ساتھ انہوں نے بارہ سال گزارے تھے اور پھر بیٹیاں ماؤں کا ہی پرتو ہوا کرتی ہیں۔ معمولاً زیبا بھی ماں جیسی طبیعت کی مالک تھی۔

"میٹھا لازمی بنایا کریں چچی جان! مجھے تو عادت ہے کھانے کے بعد سویٹ ڈش کی۔" وہ کہتی ہوئی اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔ امی کو تاسف نے گھیرا۔

ساس جیسی سبزی بنا رہی تھیں اور بہو نے ایک مرتبہ جھوٹے منہ بھی نہ کہا تھا کہ مدد کر دوں۔ انہیں شدت سے رانیہ کی یاد آئی جو اپنے ویسے والے روز بھی گھر داری سے نبٹ چکی تھی۔ ان کے دل سے بے ساختہ اس کے اچھے نصیب کی دعا نکلی۔ موحد کے تیور انہیں بدلے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔ اسی لیے بہانے سے ان دونوں کو موقع دیا تھا کہ قریب رہ کر دلوں کی کدورت دور کر لیں۔ ادھر زیبا نے کمرے میں جاتے ہی ماں کا نمبر ملایا اور ادھر کی ساری رپورٹ مع تبصرہ دینی شروع کر دی۔

❀ ❀ ❀

لاہور سے گجرات تک کا سفر تو ٹھیک ہی گزرا۔ موحد نے بڑی خاموشی سے ڈرائیونگ کی اور رانیہ جیسے لاہور تا اسلام آباد شہری آبادی پر تحقیق کرنے کے لیے مسلسل کھڑکی سے باہر کا جائزہ لے رہی تھی۔ مگر گجرات سے نکلتے ہی موسم نے اچانک ہی پلٹا کھایا۔ لالہ موسیٰ سے جو ہلکی ہلکی پھوار پڑنا شروع ہوئی تو کھاریاں تک پہنچتے اس نے موسلا دھار بارش کا روپ دھار لیا۔

وسط دسمبر میں موسم سرما کی پہلی بارش!

موحد کو ڈرائیونگ میں مشکل ہو رہی تھی۔ رانیہ کا دل گھبرانے لگا۔

"کہیں گاڑی روک دو۔" ڈھائی گھنٹے کی ڈرائیونگ کے درمیان یہ پہلا جملہ تھا جو اس نے موحد کو مخاطب کر کے ادا کیا۔

"ایسے ہی تو کہیں بھی نہیں روک سکتا نا۔"

"موسم خراب ہو رہا ہے اتنی تیز بارش میں پتا نہیں تم ونڈ اسکرین کے پار کیسے دیکھ رہے ہو یا اندازے ہی سے گاڑی چلا رہے ہو۔" وہ خفا سی بولی تو لب و لہجے میں خوف بھی تھا۔ موحد کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔

"یہ تو صحیح کہا تم نے۔"

"یا اللہ!" رانیہ نے لرز کے اسے دیکھا۔ گاڑی کی رفتار کم تھی اور اسکرین پر وائپر مسلسل چل رہے تھے۔ مگر بارش اتنی تیز تھی کہ پانی دبیز تہہ کی صورت اسکرین پر پھیلنے لگتا تھا۔

"ایسے موسم کو تو انجوائے کرنا چاہیے۔" موسم کے بگڑنے کی پریشانی تو موحد کو بھی ہو رہی تھی مگر شاید موسم کی تبدیلی ہی نے اس کا موڈ بھی کچھ تبدیل کر دیا تھا۔

"وہ تو گھر میں نا! بلکہ تمہیں تو پتا ہے میرا اگر تو بجلی وغیرہ چمک رہی ہو تو بھی کمرے سے نکلتی ہی نہیں۔" وہ روانی سے بولی۔

"چلو فی الحال تو بجلی نہیں چمک رہی۔" موحد نے

اسے تسلی دی۔ مگر جہلم پہنچ کر یہ خام خیالی بھی دور ہوگئی۔ موسم کے تیور بگڑے تو بگڑتے ہی چلے گئے۔ گرج چمک کے ساتھ وہ بارش برسی کہ مسلسل وائپر چلانے سے بھی ونڈ اسکرین سے پانی کی دھاریں نہ ہٹی تھیں۔ موئی سے گاڑی چلانا محال ہوگیا۔ اس نے دریائے جہلم کے کنارے بنے شاندار ہوٹل "ٹیولپ" کی پارکنگ میں گاڑی روکی۔ رانیہ کو دیکھا وہ اب باقاعدہ دونوں پاؤں سیٹ پر کیے گھٹنوں میں منہ دیے یقیناً قرآنی آیات کا ورد کررہی تھی۔ اتنی نازک صورت حال کے باوجود موئی کو ہنسی آنے لگی۔ گاڑی رکنے پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ موئی اس کی طرف متوجہ تھا۔ خجالت کے مارے اس نے جلدی سے پاؤں نیچے کیے۔ "مجھے ڈر لگ رہا تھا کہیں بجلی نہ گر جائے۔"

"کھانے کا بھی ٹائم ہو رہا ہے اور اسی بہانے کچھ دیر ہوٹل میں ٹھہر جائیں گے۔ شاید تب تک بارش تھم جائے۔"

"باہر تو بارش ہو رہی ہے۔ پارکنگ میں تو شیڈ بھی نہیں کہ بارش سے بچا جائے۔ سیاہ بادلوں کی چادر کو چیر کر چمکتی کڑکتی بجلی سے خوفزدہ ہو کر وہ منمنائی۔

"کم آن یار اب کھانا یہاں آنے سے رہا۔ باہر دیکھو اتنی ٹھنڈ میں بھی لوگ باربی کیو کے لیے بیٹھے ہیں۔"

واقعی باربی کیو کاؤنٹر کے آگے بنے گول شیڈ کے نیچے کتنی ہی میزیں زندہ دلوں سے بھری ہوئی تھیں۔ موئی کے ہمت بندھانے پر وہ بمشکل گاڑی سے باہر نکلنے پر راضی ہوئی مگر پارکنگ سے لے کر ہوٹل کے داخلی دروازے تک پہنچتے پہنچتے وہ دونوں کافی بھیگ گئے۔ پستہ قامت باوردی ڈور کیپر نے ان کے لیے دروازہ کھولا اور وہ موئی کے ساتھ ہوٹل کے وسیع و عریض ہال میں داخل ہوئی تو لڑکھڑا سی گئی۔ موئی نے بے ساختہ اس کا ہاتھ تھام کر سہارا دیا۔ اسی وقت لمبے سیاہ بالوں والی پیاری سی اٹینڈنٹ ان کے پاس آئی اور انہیں اپنی معیت میں ایک خالی ٹیبل تک لے گئی۔ وہاں پہنچ کر موئی نے اس کا ہاتھ چھوڑا تو وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ ایک تو پہلی مرتبہ ہوٹل میں آنے کا اتفاق ہوا تھا اوپر سے بارش نے بھگو کر حلیہ بھی عجیب سا کر دیا تھا۔ ہال میں ہیٹر کی گرماہٹ نے اعصاب کو پرسکون کیا۔ موئی ویٹر کو آرڈر لکھوا رہا تھا۔ ان کی نشست شیشے کی دیوار کے پاس تھی جہاں سے نیچے بہتا دریائے جہلم صاف دکھائی دے رہا تھا۔

"بارش تو رکتی نہیں لگ رہی۔" موئی کی آواز پر وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اسلام آباد پہنچنے میں تو کافی ٹائم لگ جائے گا۔" وہ بولی۔

"خیر ایسے موسم میں تو اب سفر ہو بھی نہیں سکتا۔" وہ کہنیاں ٹیبل پر ٹکائے ہال میں موجود لوگوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ رانیہ پریشان ہونے لگی۔

"تو پھر کیا کریں گے گاڑی میں ہی رات گزارنی پڑے گی؟" موئی کو ہنسی آ گئی۔

"بے وقوف اب اتنی بھی کیا غریب الوطنی ہے کہ گاڑی میں رات گزارنی پڑے۔"

"تو......؟"

"تو یہ کہ یہیں کھانا کھائیں گے اور یہیں رات گزارنے کے لیے کمرا لیں گے۔" اطمینان سے بولا۔

"افوہ ایسے ہی پروگرام بنالیا آج لاہور میں تو مطلع بالکل صاف تھا۔" وہ کوفت زدہ سی بولی۔

"یہ جہلم ہے۔" موئی نے اسے یاد دلایا تو وہ گہری سانس کھینچ کر کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

گیلے کپڑوں اور بالوں کی وجہ سے ٹھنڈ محسوس ہو رہی تھی۔

"میرے خیال میں پہلے روم بک کروالوں' گیلے کپڑے بھی چینج کرلیں گے اس کے بعد کھانا کھالیں گے۔" موئی اسے خود میں سمٹتے دیکھ کر فکر سے بولا۔ جانتا تو تھا ہی کہ کتنی نازک ہے اور موسم کی سختی اس پر کیسا برا اثر ڈالتی ہے۔ وہ اٹھ کر استقبالیہ کی طرف بڑھا تو رانیہ کی نگاہ اس کے ساتھ تھی۔

ان کی خوش قسمتی تھی کہ اس مصروف ترین ہوٹل میں انہیں کمرا مل ہی گیا۔ ہیٹر کے کمرے کے پرسکون اور حدت آمیز ماحول نے سرد ہوتے اعصاب کو قدرے پرسکون کیا۔ موئی گاڑی میں سے بیگ لے آیا تھا۔ رانیہ پہلے کپڑے تبدیل کر کے آئی پھر موئی نے کپڑے تبدیل کیے۔ کپڑے تبدیل کر کے نکلا تو رانیہ بیڈروم چیئرز ہیٹر کے قریب بچھائے تولیے کے ساتھ بالوں کو خشک کر رہی تھی۔ موئی نے عذرا خالہ کو فون کر کے ساری صورت حال بتادی اور ساتھ ہی امی کو بھی بتادیا۔ فون بند کرتے ہوئے وہ پلٹا تو ٹھٹکا۔ رانیہ شیشے کی دیوار کا پردہ سرکا کر باہر جھانک رہی تھی۔

"اتنی سردی ہے سویٹر تو پہن لو۔ سوں سوں کر رہی ہو۔" وہ اس کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔ رانیہ کا دل ایک دم سے اچھلا۔ وہ نیچے وسیع لان کے پرے بہتے دریائے جہلم کو تاریکی میں کھوج رہی تھی۔

"کمرے میں تو ٹھنڈ نہیں ہیٹر لگا ہوا ہے۔" اس نے بے پروائی دکھائی۔ مگر پھر ایک چھینک اور اس کے بعد لگاتار چھینکیں۔ موئی نے اس کا بازو تھام کر اسے اپنی طرف موڑا۔

"اتنی چھینکیں کسی کے یاد کرنے سے نہیں آتیں۔ چلو سویٹر پہنو اور کمبل میں لیٹو۔" رانیہ کو ہنسی آ گئی۔

"اچھے ڈاکٹر ہو تم تو خود مریضہ کو ڈرا رہے ہو اور فائدہ کیا ہوا بھلا گھر والے کے ڈاکٹر ہونے کا؟" وہ بے ساختہ بولی پھر شپٹا کر موئی کو دیکھنے لگی۔ مگر موئی تو اس کی شفاف ہنسی کے حصار میں جکڑا کھڑا تھا۔

"ابھی تو کھانا کھانے جانا ہے لیٹنے کا ٹائم تو نہیں۔" رانیہ نے جلدی سے کہا تو وہ یکلخت ہی ہوش میں لوٹا۔ اس کا بازو فوراً چھوڑ کر پیچھے ہٹا۔

"ہاں' کھانا۔" وہ خفیف سا تھا۔ شاید اپنی بے خودی پر۔

"سردی کافی بڑھ گئی ہے کھانا روم سروس سے منگوا لیتے ہیں۔" وہ اس سے نظریں چراتا انٹرکام کی طرف بڑھا۔

"تم نے کوئی خاص ڈش منگوانی ہے تو بتاؤ؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"نہیں ایسی کوئی خاص تو نہیں' وہ فنگر فش کہتے کہتے رک گئی۔ مگر انٹرکام پر آرڈر دیتے ہوئے موئی نے فنگر فش کا بطور خاص آرڈر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ ایسے موسم میں رانیہ کو فش بہت پسند تھی۔ آدھے گھنٹے کے اندر کھانا ان کے کمرے میں تھا۔ چھوٹی سی میز پر ویٹر نے برتن سیٹ کر دیے۔

"آدھے گھنٹے تک گرین ٹی لے آنا۔" موئی نے اسے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتا چلا گیا۔ دونوں نے روم چیئرز سنبھال لیں۔ رانیہ نے عادتاً اس کی پلیٹ میں سالن نکالنا شروع کیا پھر ایک دم سے اسے دیکھا اور شپٹا کر چمچ ڈونگے ہی میں رکھ دیا۔ موئی نے بھنویں اچکا ئیں۔

"کیا ہوا؟" گویا اسے یاد نہیں تھا کہ اس دن وہ رانیہ کو اپنی پلیٹ میں سالن نکالنے سے منع کر چکا ہے۔

"شاید تم خود نکالنا چاہو۔" وہ کترائی ہوئی بولی۔

"ڈال دو۔" موحد کچھ رک کر بولا۔ شاید اسے یاد آ گیا تھا پھر رسان سے بولا۔
"شاید مجھے اپنا دوستی والا رشتہ یاد رکھنا چاہیے۔" لب بھینچتے ہوئے رانیہ نے دوبارہ سے چمچ پکڑا اور اس کے لیے سالن ڈالنے لگی۔
"تم ڈش لو ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" موحد نے اسے کہا۔ تو وہ بے دلی سے مچھلی کا ٹکڑا لے کر اس کے نوالے توڑنے لگی۔ موحد نے نوٹ کیا اس نے بہت بے دلی سے کھانا کھایا تھا۔ ویٹر گرین ٹی لے کر آیا تب تک وہ کھانے سے فارغ ہو چکے تھے۔ کھانے کے برتن بھجوا کر ان دونوں نے چائے پی اور اس دوران موحد کی نگاہ بھٹک بھٹک کر رانیہ کے چہرے کی جانب اٹھی۔
"تم نے کھانا ٹھیک سے نہیں کھایا، طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" وہ چائے کا مگ ہاتھ میں لیے دوسرے ہاتھ کی انگلی اس کے کنارے پر پھیرتی گم صم سی لگ رہی تھی۔ موحد نے شاید اس کی منجمد خاموشی سے گھبرا کر بات شروع کی تو وہ چونکی۔
"ہوں ہاں ٹھیک ہوں میں۔"
"کوئی مسئلہ ہے؟"
رانیہ نے ایک شکوہ کناں سی نگاہ اس پر ڈالی۔
"میں تو خود شاید ایک مسئلہ بن چکی ہوں تمہارے لیے۔" پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ اس کا یہ جملہ بہت اچانک تھا۔ موحد اس جملے کے لیے تیار نہ تھا، گڑبڑا سا گیا۔
گہری سانس بھرتے ہوئے رانیہ نے دزدیدہ نظروں سے خاموش بیٹھے موحد کو دیکھا۔
"جسے شاید تم بھی حل کرنا نہیں چاہتے۔"
"میں...! میں حل نہیں کرنا چاہتا؟" وہ جیسے صدمے کی گرفت میں آیا۔
"شادی دلوں کا سودا ہوتی ہے محترمہ اور میں نے تم پر پہلے ہی واضح کر دیا تھا کہ دل میں کوئی اور ہو اور نکاح میں کوئی اور والی زندگی میں نہیں گزار سکتا۔"
"تو پھر تم نے یہ شادی کیوں کی؟ خوامخواہ کا بوجھ لاد لیا اپنے سر پر۔" وہ تلخ ہوتے ہوئے خالی مگ ٹیبل پر رکھ کر اٹھ گئی۔
موحد کو اس کی بات بہت چبھی۔
"بعض اوقات کسی پیارے کی خوشی کی خاطر ان چاہے بوجھ بھی ڈھونے پڑتے ہیں۔"
تکیہ ٹھیک کرتے رانیہ کے ہاتھ اس کی تلخ نوائی پر ٹھٹکے پھر وہ مزید کچھ بولے بغیر سویٹر اتار کر کمبل میں گھس گئی۔ موحد کا جی چاہا اسے کمبل سے نکال کر جھنجوڑ کر رکھ دے۔
اس کی پوری زندگی کو ڈسٹرب کر کے وہ کتنی مطمئن و پرسکون تھی اور اس پر مستزاد وہ خود پر کوئی الزام لینے کو بھی تیار نہیں تھی۔ رات کا جانے کون سا پہر تھا جب کسی عجیب سے احساس کے ساتھ موحد کی آنکھ کھلی۔ ڈم لائٹ میں پہلے تو اسے یہ سمجھنے میں وقت لگا کہ وہ ہے کہاں دوسرے ہی پل اپنا دایاں پہلو سلگتا محسوس ہوا تو اس نے بے اختیار اس طرف دیکھا۔ رانیہ اس کے بالکل پاس تھی اور دایاں پہلو سلگنے کی وجہ موحد کو فوراً ہی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے عجلت میں کہنی کے بل اٹھتے ہوئے اپنا ہاتھ رانیہ کی پیشانی پر رکھا تو وہ در حقیقت بخار میں جل رہی تھی۔
"اف خدایا...!" وہ متفکر سا اٹھ گیا۔ اپنا ایمرجنسی بیگ وہ ساتھ ہی لایا تھا جس میں ضروری ادویات وہ ہمیشہ رکھتا تھا۔ اسے خیال آیا جس طرح رات بھیگنے کے بعد وہ چھینک رہی تھی۔ اسے سردی کی دوا دے دینی چاہیے تھی۔ اس نے لائٹ آن کر کے اپنا بیگ نکال کر رکھا۔ ایک ٹیبلٹ اور کیپسول

نکال کر پانی کا گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے رانیہ کو شانے سے پکڑ کر جگایا۔
"رانیہ... رانیہ اٹھو یہ میڈیسن لے لو۔"
"ہوں...!" بخار کی شدت اسے بے سدھ کر رہی تھی۔ پپوٹے بھاری اور آنکھیں کھلنے سے انکاری تھیں۔ موحد نے اسے سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے اپنے شانے سے ٹیک لگا کر بٹھایا۔
"یہ میڈیسن لے لو شاباش! بہت تیز بخار ہو رہا ہے تمہیں۔" اس نے موحد کی ہتھیلی پر رکھی میڈیسن اٹھائی۔ موحد نے پانی کا گلاس اٹھایا۔ رانیہ نے میڈیسن منہ میں ڈالی تو اس نے پانی کا گلاس رانیہ کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ وہ سارا پانی پی گئی تھی۔
"اور پانی چاہیے؟" موحد نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا اور اس کے شانے سے ٹکا دیا۔ ذرا سی مشقت سے تھکاوٹ محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ شاید پھر سے سو گئی تھی۔ موحد نے ذرا سا جھک کر اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کے شانے سے ٹیک لگائے وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر تھی۔ موحد کے تمام حواس جاگنے لگے۔ بالکل ابھی ابھی اس نے رانیہ کے بالوں سے اٹھتی کسی اچھے سے شیمپو کی خوشبو محسوس کی تھی۔ اسے خیال آیا کہ اس کا ایک بازو رانیہ کی کمر کے گرد اسے سہارا دیے ہوئے تھا اور یہ کہ وہ بے سدھ سوئی ہوئی موحد کے حواس کو بے دار کر رہی تھی۔ اس کے ہاتھ نے بے اختیار رانیہ کے بالوں میں سرسرانے اور انہیں سنوارنے کی خواہش کی تو کسی انہونی کے خوف میں گھرتے ہوئے موحد نے اپنا سہارا ہٹاتے ہوئے اسے تکیے پر لٹا دیا اور خود فوراً وہاں سے اٹھا اور گہری سانس بھرتے ہوئے جیسے اندر کی کثافت کو کم کرنے کی سعی کی۔ پھر چہرہ موڑ کر رانیہ کی طرف دیکھا۔
شرعی رشتہ اور دل کی سرکشی وہ ایک جنگ کی سی کیفیت میں تھا۔ ایک پلڑے میں انا تھی تو دوسرے میں سرکشی مگر انا کا وزن زیادہ لگا۔ لائٹ آف کر کے وہ سر جھٹکتا کھڑکی تک گیا اور پردہ ہٹا کر باہر گھورنے لگا۔ نیچے لان میں لائٹس آن تھیں اور ان سے پرے نیچے بہتا دریائے جہلم بہت سیاہ اور سرد لگ رہا تھا۔ اس اندھیری رات کی طرح...! کتنی ہی دیر وہاں کھڑا رہنے کے بعد جب سردی سے اس کی ٹانگیں جمنے لگیں تب وہ مجبوراً وہاں سے ہٹا اور آ کر اپنی جگہ پر لیٹ گیا۔ نرم و گرم کمبل نے اس کے اندر ایک سکون اور احساس پیدا کیا۔ تو وہ آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا۔

صبح بھی رانیہ کا بخار نہیں اترا تھا۔
"واپس آ جاؤ تم لوگ ایسی خراب طبیعت لے کر کسی کے گھر کیا جانا آپا سے معذرت کر لیتا۔" امی کو فون کر کے بتایا تو انہوں نے فوراً کہا۔ رانیہ شرمندہ سی تھی۔
"آئی ایم سوری۔" موحد نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔
"کس بات کا؟"
"میری وجہ سے تمہارا پروگرام خراب ہوا۔" اس نے وضاحت کی۔
"ہاں!" وہ طنزاً ہنسا۔
"میں تو شکر کر رہا ہوں کہ بلاوجہ دوسروں کے سامنے اداکاری کرنے سے بچ گیا۔" لمحہ بھر اسے نا سمجھی کی کیفیت میں دیکھنے کے بعد وہ اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔
"کیسی اداکاری؟"
موحد نے سلگ کر اسے دیکھا۔
"وہی خوش باش میاں بیوی۔ خوب صورت

زندگی وغیرہ وغیرہ۔" وہ اسی انداز میں بولا۔

"ہمارے درمیان جو رشتہ استوار ہے وہ شرعی اور حقیقی ہے۔" وہ اپنے لفظوں پر زور دے کر بولی جیسے اسے جتا رہی ہو۔

"مگر اس کی جو حقیقت ہے وہ صرف ہم دونوں ہی جانتے ہیں۔" وہ سلگا۔

"موحی تم صرف یہ بتا دو کہ اب مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" وہ تھک گئی تھی۔ اس کی آنکھیں جھلملا اٹھیں۔ دوست اجنبی بن گیا تھا۔

"تم سے ـــــ؟" اس نے جیسے بڑی حیرت سے رانیہ کی طرف اشارہ کیا پھر استہزا سے بولا۔

"کیا ہے تمہارے پاس؟ خالص جذبات ان چھوئے احساسات اور سچی محبت۔ کیا ہے اس میں سے تمہارے پاس؟"

اس کی بے یقین نگاہوں میں غصہ اتر آیا۔

"تو کیوں نہیں کرلی کسی ایسی لڑکی سے شادی۔ اگر میں تمہیں اس حیثیت میں قبول نہیں تھی تو کیوں مجھے اس زندان میں گھسیٹا ہے تم نے؟" اس کی آواز میں بھیگا پن اتر آیا۔

ایک تو طبیعت پہلے ہی خراب تھی۔ اوپر سے یہ غصہ اور جذباتیت اس کا وجود کپکپانے لگا۔

"کرلوں گا۔ یقیناً کروں گا۔ کیونکہ میں سمجھوتے کی زندگی نہیں گزار سکتا۔ ہرگز نہیں۔" وہ سفاکی سے بولا۔

رانیہ لڑکھڑا سی گئی۔ بے اختیار ہاتھ بڑھا کر بیڈ کا سہارا لینے کی کوشش کی مگر بیڈ دور تھا۔ وہ گرنے کو تھی شاید چکرا گیا تھا۔

موحی نے بے اختیار ہی اسے سہارا دیا تو وہ اس کی بانہوں میں لہرا سی گئی۔ اتنی ٹھنڈ میں بھی اس کی پیشانی پر پسینہ چمک اٹھا تھا۔

"چھوڑو مجھے میں تمہارے قریب آنا بھی پسند نہیں کرتی۔" اس کی مزاحمت کمزور ترین تھی اور آواز میں نقاہت اور آنسوؤں کی نمکینی۔

موحی اس کا شوہر ہی نہیں ڈاکٹر بھی تھا۔ رانیہ کی حالت فی الحال اسے کان بند کیے رہنے پر مجبور کرنے لگی۔ اسے سنبھال کر بیڈ پر لٹایا۔

"تھوڑا ریسٹ کرو میں ابھی ہاسپٹل سے ہو کر آتا ہوں۔ آج چیک آؤٹ کرتا ہے واپس لاہور چلتے ہیں۔" وہ سنجیدگی سے کہتا اپنی جیکٹ پہن کر کمرے سے نکل گیا۔ رانیہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

"تو اب تم مجھے محبت کرنے کی سزا دو گے موحی رضا۔"

* * *

امی نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا۔ خود انہیں بھی ہلکی سی حرارت ہو رہی تھی۔ مگر وہ رانیہ کے متعلق تشویش میں مبتلا تھیں۔

"اب تو ٹھیک ہوں میں۔" وہ زیبا سے مل کر صوفے پر امی کے ساتھ آ بیٹھی۔

"خاک ٹھیک ہو۔ رنگت پیلی پڑ رہی ہے تمہاری۔ ایک رات کے بخار نے نڈھال کر دیا ہے۔ ہم سے مل لیں۔ اب جا کے آرام کرو۔" امی نے محبت سے کہا۔

زیبا نے شرارتی انداز میں سر جھٹک کر رخ ٹی وی کی طرف کرلیا۔

"السلام علیکم!" عیسیٰ ہشاش بشاش سا اندر داخل ہوا تھا۔ موحی کی نظر بے اختیار رانیہ کی طرف اٹھی۔ وہ صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگائے سست سی بیٹھی تھی۔

عیسیٰ کو دیکھ کر سیدھی ہو بیٹھی۔

"کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" عیسیٰ اس سے مخاطب تھا۔ موسیٰ کا رواں رواں آنکھ بن گیا سماعت بن گیا۔ وہ عیسیٰ سے بات کر رہی تھی۔ عام سی بات یونہی خیر خیریت مگر موسیٰ سے برداشت نہیں ہوا۔

"تم جاؤ جا کے آرام کرو۔" اس نے بمشکل اپنے لب و لہجے کو قابو میں رکھتے ہوئے رانیہ سے کہا تو امی نے بھی ہاں میں ہاں ملائی تو وہ خاموشی سے موسیٰ پر اچٹتی نگاہ ڈالتی اٹھ کر چلی گئی۔

"بڑی جلدی ختم ہو گیا تم لوگوں کا ہنی مون....؟" زیبا نے موسیٰ کو بڑی دل جلانے والی مسکراہٹ کے ساتھ مخاطب کیا تو امی تاسف سے سر ہلاتی اٹھ کر چلی گئیں۔ موسیٰ پرسکون ہو کر صوفے پر پھیل کر بیٹھتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

"یہ تو ٹریلر تھا ابھی ہنی مون کے لیے تو ورلڈ ٹور پر جائیں گے۔" زیبا کا دل جل کر کباب ہوا۔ بے ساختہ عیسیٰ کو گھورا۔

"سن رہے ہیں؟ اور آپ دو ہفتوں کے بعد آفس جوائن کر بیٹھے ہیں۔"

"کیا یار تم بھی۔" عیسیٰ نے بھائی کو ذرا سا گھورا اور پھر زیبا کو سمجھانے لگا۔

"اس کا کون سا وزا لگ گیا ہے ورلڈ ٹور کا؟ منہ سے کہہ ہی رہا ہے نا تم بھی بس کانوں سے سن لو۔" عیسیٰ کی بات سن کر اس نے منہ بنایا۔

"اس کے دل میں خواہش تو ہے نا! تم نے تو کبھی خواہش بھی ظاہر نہیں کی۔"

"ایک تو تم عورتیں ہوتی بڑی ناشکری ہو کیوں موسیٰ!" اس نے تاسف سے زیبا کو گھورتے ہوئے بھائی سے پوچھا تو وہ شانے جھٹک کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"پتا نہیں میرا ابھی تک کسی ناشکری عورت سے پالا نہیں پڑا۔" وہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

"یہ عورت کسے کہا تم نے؟" اپنے پیچھے سے زیبا کی چلاتی ہوئی آواز آئی تھی۔

"کیا مطلب؟ تم عورت نہیں ہو کیا؟"

"لڑکی بھی تو کہہ سکتے ہو تم۔"

"گویا ناشکری پر قطعاً کوئی اعتراض نہیں۔" عیسیٰ نے گہری سانس بھری۔

موسیٰ ہنسی دباتا اپنے کمرے میں گھس گیا۔

اگلے روز سے گھر کی تمام ذمہ داری پھر سے رانیہ کے کندھوں پر آ گئی۔ امی کا جوڑوں کا درد تیز ہوا تو وہ بستر پر زیادہ وقت صرف کرنے لگیں۔

"ناشتا!" موسیٰ کو اسپتال سے دیر ہو رہی تھی۔ وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھا اور کچن کی طرف منہ کر کے ہانک لگائی۔ مگر پانچ منٹ گزر گئے اور ناشتے کی کوئی صورت حال نہ بنی تو وہ کچن کی طرف بڑھا۔

وہاں رانیہ ہمیشہ کی طرح ناشتا بنانے میں جتی تھی موسیٰ نے دیکھا ناشتے کی ٹرے تیار تھی اور رانیہ تیزی سے پیالے میں انڈے پھینٹ رہی تھی۔

موسیٰ نے آگے بڑھ کے ٹرے اٹھائی۔

"ٹھہرو نہیں یہ تمہارے بھائی صاحب کا ناشتا ہے تمہارے لیے تو ابھی بنا رہی ہوں۔" وہ جلدی سے کہہ کر انڈوں کا آمیزہ فرائنگ پین میں انڈیلنے لگی۔ موسیٰ نے ٹرے کاؤنٹر پر رکھ دی مگر اندر کی آگ پھر بھی کم نہیں ہوئی۔

"میرے لیے بنانے کی کیا ضرورت ہے تم جن کی خدمت میں جتی ہو اسی میں مصروف رہو۔" سلگتا لہجہ۔

"انہیں جلدی آفس جانا تھا موسیٰ۔" وہ اس کے غصے سے گھبرا گئی تھی۔

"ان کی اپنی ایک عدد بیوی بھی ہے محترمہ۔" اس نے دانت پیسے۔

"وہ سو رہی ہے۔ انہوں نے کچن میں آ کر مجھ سے خود کہا ناشتے کے لیے۔ تو کیا میں منع کر دیتی؟" وہ برافروختہ ہوئی۔

"ہاں کر دیتیں۔" وہ یونہی غصے میں جل بھن کر اس کے اوپر چڑھ دوڑا۔

"پہلے بھی تو میں ہی بناتی تھی۔" وہ اسے اتنے غصے میں دیکھ کر منمنائی۔

"تب تم میری بیوی نہیں تھیں۔" موسیٰ کی زبان پھسلی۔

"تو اب کیا مجھے ان کے لیے ناشتا نہیں بنانا چاہیے۔ تم سے شادی کے بعد کیا مجھے ان سے اپنا رشتا ختم کر لینا چاہیے؟" وہ متحیر تھی یا دکھی۔ موسیٰ کو سمجھ نہیں آئی۔ ہاں مگر اس کے الفاظ ضرور تپانے والے تھے۔

"تم صرف گھر کے کام کرو ان کے کاموں کے لیے ان کی بیگم آ چکی ہے۔ جو ماہر امور خانہ داری ہے۔" موسیٰ نے سلگ کر کہا تو رانیہ کو بھی غصہ آنے لگا۔

"تو خود کیوں نہیں ان سے کہہ دیتے کہ......" ابھی اس کی بات آدھی ہی تھی موسیٰ نے اسے دونوں شانوں سے تھام کر ہلکا سا جھٹکا دیا۔

"جو میں کہہ رہا ہوں وہ سنو۔" وہ ساکت سی لمحہ بھر اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی پھر رسان سے بولی۔

"اتنے دنوں سے صرف تمہاری ہی تو سن رہی ہوں۔" موسیٰ نے بہت پاس سے اس کے ہونٹوں کی حرکت دیکھی اور نچلے لب کے پاس وہ سیاہ تل... کیا وہ پہلے بھی اتنا ہی خوب صورت لگتا تھا؟ موسیٰ کا ذہن بھٹکا۔ پھر وہ چونکا۔ شاید رانیہ کچھ کہہ رہی تھی۔

"آملیٹ جل رہا ہے موسیٰ!" وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹا۔

"موسیٰ! پلیز ناشتا تو کر جاؤ۔" اس نے اپنے پیچھے رانیہ کی منت بھری آواز سنی مگر اس کے قدم نہیں رکے تھے۔

"کیا جادو گری ہے یہ..... کیسے اپنی طرف کھینچتی ہے کہ میں جو شعوری طور پر اس سے نفرت کرنا چاہتا ہوں۔ لاشعوری طور پر اس کی محبت میں گرفتار ہوا جا رہا ہوں۔ نہیں یا شاید یہ محض ایک پرکشش وجود کو قریب پا کر بہکنے کا احساس ہے اور بس!"

وہ تمام راستا اسپتال پہنچنے تک انہی سوچوں کی زد میں رہا۔ موسیٰ کی یہ خرابی رات واپسی تک برقرار رہی تھی۔ رانیہ کھانا لگاتے ہوئے اسے مسلسل نوٹ کر رہی تھی۔ عیسیٰ اور زیبا کو کھانا لگانے کے بعد بلانے کے لیے بھی رانیہ ہی کو جانا پڑا۔

"پتا نہیں ان دونوں کے طور طریقے کب بدلیں گے؟ ایک ہی دن کی بیاہی دلہنیں ہیں۔ مگر زیبا کے تو نئی نویلی دلہن والے چونچلے ہی ختم نہیں ہو رہے۔" امی کو روز کا یہ تماشا اور رانیہ کی ڈیوٹی پسند نہیں آ رہی تھی۔ رانیہ کے پیچھے ہی وہ دونوں بھی چلے آئے۔ گویا کھانا لگنے ہی کا انتظار تھا۔

"کیا کیا پکا ہے آج؟" عیسیٰ نے شوق سے ڈونگوں کے ڈھکن اٹھا کر دونوں سالن چیک کیے خوش بو میں اڑاتے گرما گرم پلاؤ کی ڈش سامنے ہی رکھی تھی۔

"واہ" اس کا انداز توصیفی تھا۔ موسیٰ نے رانیہ کو مسکراتے دیکھا تو کرسی پر پہلو بدل کر رہ گیا۔

"بھئی زیبا تم بھی موقع دو ہمیں واہ واہ کرنے کا عیسیٰ تو بہت تعریف کرتا تھا تمہارے ہاتھ کے پکے

کھانے کی۔'' امی نے طریقے سے اسے اس پر لانا چاہا۔

گلاس میں پانی انڈیلتی وہ جھجکی۔

''اچھا......!''

''ہاں بھئی زیبا کے ہاتھ میں بھی بہت ذائقہ ہے۔'' عیسیٰ نے خوش دلی سے بیوی کی تعریف کی۔

''آپ نے کب میرے ہاتھ کا بنا کھانا کھالیا؟'' زیبا نے تیکھے انداز میں عیسیٰ کو دیکھا۔

''شادی سے پہلے کی بات کر رہا ہوں۔ جب بھی گیا تقریباً کھانا کھا کر ہی لوٹتا تھا۔''

''وہ......!'' زیبا لمبا سانس کھینچ کر مسکرائی۔

''وہ سب تو بازار سے آتا تھا۔'' وہ اب اطمینان سے اپنی پلیٹ میں پلاؤ نکال رہی تھی۔ عیسیٰ نے ان تینوں کو ایک نظر دیکھنے کے بعد زیبا سے کہا۔

''تائی جان نے تو یہی کہا تھا کہ تمہیں کوکنگ کا بہت شوق ہے۔''

''ماؤں کا کیا ہے، وہ تو دنیا بھر کی اچھی باتیں اپنی بیٹیوں میں بھر دیتی ہیں۔ مجھے تو الف بے نہیں آتی کھانا پکانے کی کہاں وہ اتنی مشکل مشکل ڈشز تیار کرتی۔''

''لو جی!'' زیبا جی تو ہاتھ جھاڑ کے ایک طرف ہوگئیں۔ اب عیسیٰ کی نجات قابل دید تھی۔

''چلیں کوئی بات نہیں، آہستہ آہستہ سب آجائے گا۔'' رانیہ نے خوش دلی سے کہا۔

''خیر مجھے دیگیں چڑھانے کا کوئی شوق نہیں ہوٹل بھی تو ہم جیسوں ہی کے لیے بنے ہیں۔'' اس نے تیوری چڑھاتے ہوئے گویا بات ہی ختم کردی۔ رانیہ گہری سانس بھرتی اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔ جب کہ امی اور موسیٰ کی عیسیٰ کی طرف اٹھتی نگاہوں میں تاسف تھا اور ہمدردی وہ بھی چور سا بن کر کھانے کی طرف متوجہ ہوگیا۔ کھانے کے بعد زیبا حسب عادت اپنے کمرے میں ٹی وی کے آگے براجمان ہوگئی۔ جب کہ رانیہ نے برتن سمیٹنے کے بعد چائے کا پانی چولہے پر چڑھا دیا۔ سب کو گرین ٹی سنگل تھما کر وہ موسیٰ کو ڈھونڈتی اوپر بالکونی پر چلی آئی۔ وہ وہیں سیڑھیوں پر بیٹھا جانے کیا سوچتا ہوا ملا۔

''چائے......؟'' اس نے مگ موسیٰ کے سامنے لہرایا۔

''اس کی کیا ضرورت تھی۔'' وہی روکھا پھیکا لہجہ۔ دوستی کے دعوے کرنے والا کرنے میں بھی جلدی کر گیا تھا۔ رانیہ نے یونہی مگ بڑھائے رکھا تو اسے تھامنا ہی پڑا۔

''کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟'' وہ اپنا مگ تھامے اس سے اجازت مانگ رہی تھی۔ اس کے پاس بیٹھنے کی۔

''تمہارا اپنا گھر ہے اس کے لیے تمہیں کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔'' موسیٰ نے ہاتھ سے ادھر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے سنجیدگی اور روکھائی سے کہا۔ وہ اس سے تھوڑے سے فاصلے پر بیٹھتے ہوئے پھیکے لہجے میں بولی۔

''وقت اور حالات اس قدر بدل چکے ہیں کہ پہلے اور اب کے اختیارات پر اعتبار نہیں رہا۔''

ایک نظر اسے دیکھ کر وہ سر جھٹکتے ہوئے گرین ٹی کے گھونٹ لینے لگا۔ خوش رنگ و خوش ذائقہ چائے نے اس کے اعصاب کو اس سردی میں بہت لطف دیا۔

اس کے موڈ پر اچھا اثر پڑا تھا۔

''ہم ایسے کب تک زندگی گزار پائیں گے موسیٰ!'' اس کی بھیگی بھیگی نمکین سی آواز موسیٰ کو جھنجھوڑ گئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے مگ کو مضبوطی سے

تھام لیا۔ وہ اس جادوگرنی کے چہرے کو نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

''یہ تو تمہارے سوچنے کی بات ہے۔'' اس نے اپنا لہجہ روکھا ہی رکھا۔

''تم مجھے کس بات کی سزا دے رہے ہو موسیٰ! محبت کرنے کی نا؟'' رانیہ کے آنسو بہہ نکلے۔

یوں فقیروں کی طرح اعتراف کرنا اسے ذلت کا شکار کر رہا تھا۔ مگر بات کیے بنا چارہ بھی نہیں تھا۔

''تم سب جانتی ہو۔'' اس نے دانتوں پر دانت جمائے۔

''تو پھر دو زندگیاں مت جلاؤ، کرو مجھے برباد ہونے دو تم جسے پسند کرتے ہو اس سے شادی کرلو۔'' وہ بے آواز آنسو بہاتی بڑی بہادری کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ موسیٰ نے بے ساختہ اس کی طرف دیکھا۔ وہ اسی کی طرف چہرہ موڑے ہوئے تھی۔ موسیٰ کو اپنی طرف متوجہ پاکر نظر چرائے اچانک اوپر والی سیڑھی پر دیکھنے لگی۔

''میں...... میں کسے پسند کرتا ہوں؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''وہی جس کے دل میں رہتے تم نکاح والی کو بسا نہیں سکتے۔'' وہ موسیٰ کے الفاظ دہرا رہی تھی۔

اسے جھٹکا سا لگا گویا سارا الزام موسیٰ کے سر دھر رہی تھی۔

''ہم بھی بہت اچھے دوست تھے موسیٰ! اسی دوستی کے پیش نظر میں تمہارا ساتھ دینا چاہتی ہوں۔ تم اپنی مرضی کا فیصلہ کرو، میں خالہ جان کے سامنے تمہیں سپورٹ کروں گی۔'' رانیہ نے اسے یقین دلاتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھا۔ تو اس کی سرد انگلیوں کی ٹھنڈک موسیٰ کو اندر تک اترتی محسوس ہوئی۔ اچانک رکھتے ہوئے موسیٰ نے اس کا جائزہ لیا تو وہ لینن کے سوٹ پر محض ایک سویٹر پہنے ہوئے تھی۔ اتنی ٹھنڈ میں بنا گرم شال کے محض شانے پر دوپٹا لٹکائے جو آدھا اس کے شانے پر اور آدھا سیڑھی پر دھرا تھا وہ ان سرد سیڑھیوں پر آ بیٹھی تھی۔ موسیٰ نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ سرد پوروں والا بے حد ٹھنڈا ہاتھ......!

''اتنی سردی میں اوپر کیوں آئی ہو؟ گرم شال ہی لے لیتیں۔'' پتا نہیں کیوں اس لمس سے وہ بے بس ہونے لگتا تھا۔

''تم بھی تو اتنی سردی میں بیٹھے ہو۔'' وہ جانے کیا جتانا چاہتی تھی۔ موسیٰ نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں بھینچ لیا۔ جیسے اسے گرما رہا ہو۔

''ابھی بخار سے اٹھی ہو۔ نیچے چلو پھر بیمار پڑ جاؤ گی؟'' وہ بے حد نرمی سے کہہ رہا تھا۔

''جتنا اچھا ہے نا آسانی سے تمہاری جان چھوٹ جائے گی۔'' وہ پتا نہیں ہنسی تھی یا روئی تھی۔ مگر موسیٰ کے دل کو کچھ ہوا۔

اسے لگا کہ یہ لہجہ اس کے دل میں گڑا ہوا ہے۔ جبھی تو اس کی نرمی گرمی اس شدت سے دل پر اثر انداز ہوئی تھی۔ رانیہ نے اپنا دوسرا سرد ہاتھ بھی موسیٰ کے ہاتھوں پر رکھ دیا۔

''تم چاہو کوئی بھی فیصلہ کرو موسیٰ! مگر مجھے اپنا دوست ہی رہنے دینا۔'' اس کا ملتجیانہ لہجہ...... کچھ عجیب سی بات تھی۔ اس کی باتوں میں اس کے لہجے میں۔

کچھ تنہائی اور کچھ اس کا قرب...... موسیٰ رضا کو لگا ہر چیز پر وہی چھائی ہوئی ہے۔ بہت بے اختیار انداز میں اس کے گرد اپنی مضبوط بانہوں کا حصار باندھتے ہوئے اسے لگا۔ فقط یہی حقیقت ہو مگر یہ چند پل ہی کی بات تھی۔ یکلخت ہی اسے لگا جیسے وہ

دنیا کا سب سے بڑا بے وقوف ہو۔ ایک اسکی لڑکی جو اس کے بھائی سے......!

وہ ایک دم سے اٹھا اور رکے بغیر نیچے جانے والی سیڑھیاں اتر گیا۔

رانیہ بے یقینی سے اس کی پشت دیکھتی رہ گئی۔

موسیٰ جاکے ٹی وی کے سامنے بیٹھ گیا۔ امی سونے چلی گئیں۔ تو وہ چینلز بدلنے لگا۔ مگر دھیان سارا سیڑھیوں کی طرف تھا۔ رانیہ ابھی تک نیچے نہ آئی تھی۔ اس نے اپنا پسندیدہ ٹاک شو لگایا اور ذہن کو ادھر لگانے لگا۔ اسے یاد آیا کہ وہ سرد موسم میں بنا گرم کپڑوں کے سرد سیڑھیوں پر بیٹھی تھی۔ اس نے تین مرتبہ "مجھے کیا" کہہ کر خود کو بے حس بنانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ مگر پھر بھی دھیان کے سرے پلٹ پلٹ کے اسی سے جڑتے تو وہ ٹی وی آف کر کے اٹھا۔

"بے وقوف لڑکی......" دانت پیستا وہ تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا ٹیرس پر آیا تو وہ منجمد مجسمے کی طرح وہیں سیڑھیوں پر بیٹھی تھی ویسی ہی جیسی وہ چھوڑ کر گیا تھا۔

"رانیہ......!" وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا اسے شانوں سے تھام کر اٹھایا۔ وہ سرد تھی بے حد سرد......!

"رانیہ پاگل ہو تم' مرنا چاہتی ہو؟" موسیٰ نے اسے جھنجوڑا۔ تو اب تک جو برف کے منجمد مجسمے کی مانند بیٹھی تھی اس کے قرب کی آنچ پاتے ہی پگھل گئی۔

"ہاں' مر جانے دو مجھے' کیوں بچانے آجاتے ہو بار بار کیا لگتی ہوں میں تمہاری۔ کیا رشتہ ہے میرے تمہارے درمیان؟" ایک جھٹکے سے اپنا آپ چھڑاتے ہوئے وہ پھٹ پڑی' موسیٰ ششدر تھا۔

"رانیہ......!"

"موسیٰ پلیز' مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔" وہ کپکپا رہی تھی سردی سے اس کا پورا وجود لرز رہا تھا۔

"ابھی تم حواس میں نہیں ہو نیچے چلو پھر بات کرتے ہیں۔" موسیٰ نے بدقت تمام اپنے لہجے کو معتدل کیا ورنہ جی تو چاہ رہا تھا ایک تھپڑ لگا کر اس کا دماغ ٹھکانے لگا دے۔

"مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی جو غلطی میں نے کی ہے اس کی سزا بھگت رہی ہوں یہاں بیٹھ کر۔" وہ شعلہ بار لہجے میں کہتی کوئی اور ہی رانیہ تھی۔ اس ڈرپوک اور سیدھی سادی رانیہ سے مختلف' جسے عیسیٰ کے مقابل لانے کی پیش رفت وہ دیا کرتا تھا۔

"تم محض مجھے اذیت دے رہی ہو رانیہ! اور بس!" اس کی آواز میں بھی غصہ اتر آیا۔ شاید اپنی بے بسی کے اعتراف پر کہ وہ رانیہ کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"تمہیں کیا فرق پڑتا ہے موسیٰ رضا! اول شب سے تم مجھے میری اوقات یاد دلا رہے ہو۔ مجھے میری محبت کے طعنے دے رہے ہو مگر شاید تم یہ بھول گئے ہو کہ مجھے اس راہ پر لانے والے تمہی تھے ورنہ میں تو محبت کے ہجوں سے بھی ناواقف تھی۔" اس کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔

"اور تم......! تم کیا مجھے میری اوقات یاد نہیں دلا رہیں۔ اول روز سے تم اسی کی پسند کے رنگ پہنتی آرہی ہو' کیا ایک پل بھی تم نے مجھے بھولنے دیا ہے کہ تم میری نہیں ہو؟" اس نے دانتوں پر دانت جمائے تھے۔

رانیہ نے رونا بھول کر تحیر سے اسے دیکھا۔

"اس کی......! کس کی پسند کے رنگ پہنتی ہوں میں؟"

"وہی جس کی محبت میں تم نے خود کو سرتاپا بدل لیا تھا۔" وہ سلگ کر بولا۔

"کیونکہ میں نے تم سے سچی محبت کی ہے موسیٰ رضا اور نہ تم جانتے ہو یہ تیز رنگ مجھے زہر لگتے ہیں۔ تم نے تو مجھے زیبا جیسا بنانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ مگر صرف تمہارے لیے۔ کیونکہ تمہیں یہ رنگ پسند ہیں۔" وہ جذباتیت سے کہتی پھر سے رو دی تھی۔

موسیٰ ششدر...... لگا کچھ غلط سنا ہو شاید۔

"مجھے...... میری پسند کے رنگ میں نے کب کہا تم سے؟" اسے لگا کچھ غلط ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے۔ تیزی سے پوچھا۔

"شادی سے پہلے کیا تم مجھے اپنی پسند و ناپسند نہیں بتایا کرتے تھے۔ یہ پہنو' یہ کھاؤ' یہاں جاؤ وہاں نہ جاؤ۔ ایسے بات کرو اور میں بے وقوف خود کو تمہاری پسند میں ڈھالتی چلی گئی۔ یہ جانے بغیر کہ لڑکے کتنے دھوکے باز ہوتے ہیں۔"

میری پسند......! کھٹاک سے موسیٰ کے دماغ کی کھڑکی کھلی۔

اف خدایا! میں اسے بھائی کے لیے بتاتا رہا اور یہ میرے لیے......؟

"لڑکے صرف دھوکے باز ہی نہیں' بیوقوف اور گدھے بھی ہوتے ہیں۔" وہ ایک دم سے بولا تو رانیہ کی آواز اور آنسوؤں کو بریک لگ گئی۔

"تم نے کس سے محبت کی تھی؟" وہ دو قدم آگے بڑھا۔

"بیوقوفی کی تھی' معاف کردو مجھے کیا پتا تھا کہ فلرٹ کر رہے ہو مجھ سے میں تو خوش تھی کہ میرا سب سے اچھا دوست ہی میرا شریک سفر ہوگا۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

ادھر موسیٰ اب بھی شاکڈ تھا۔

حیرت' بے یقینی' خوشی کتنے ہی جذبات بہ یک وقت اس پر طاری تھے۔

"تم...... تم نے مجھ سے محبت کی تھی؟" اسے بازوؤں سے تھام کر جھنجوڑا وہ روہانسی ہو گئی۔

"ہاں تم جیسے سنگ دل سے' غلطی ہو گئی معاف کر دو۔"

"اف خدایا!" وہ دفعتاً چہرہ اوپر کر کے ہنس دیا۔

"اور میں بے وقوف سمجھتا رہا کہ میں بڑی کامیابی کے ساتھ تمہیں عیسیٰ رضا کے لیے تیار کر رہا ہوں۔"

"کیا مطلب......؟" رانیہ بے ساختہ چیخ اٹھی۔

"تم مجھے عیسیٰ کے لیے......؟"

"اوئے دل خوش کر دتا اے کڑیے!" موسیٰ نے اسے بازوؤں میں بھر کے گھما ڈالا۔

"موسیٰ!" وہ بے یقین تھی۔

"آئی لو یو ریئلی آئی لو یو۔ میں تو یہ سوچ سوچ کر سلگتا رہا کہ میں اپنی بیوقوفی سے تمہیں عیسیٰ رضا سے محبت کروا چکا ہوں۔ شکر ہے خدا کا۔" وہ خوش تھا بے حد خوش۔

اور رانیہ...... اس کا وجود تو جیسے ایک دم ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔

"اور جو تم نے اتنے دنوں مجھے ستایا رلایا؟"

"ہر حساب بڑی محبت سے چکاؤں گا جان عزیز!" وہ دھیمی آواز میں بولا تو سرد ہوا میں رانیہ کی کھل کھل کرتی ہنسی گونج اٹھی۔ موسیٰ اسے بانہوں کے گھیرے میں لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ خوشیاں ان کی منتظر تھیں اور خوش قسمتی ان کے پیچھے۔